پھول نرگس کے ملے تازہ وشاداب مجھے عین موسم میں ملا تحفۂ نایاب مجھے

پیام رساں اُمت

محمد اشرف خان ایم۔اے
صدر شعبۂ عربی، اسلامیہ کالج، پشاور

ناشر: ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ

اشاعت: باردوم

سالِ اشاعت: سنہ ۲۰۱۰ء

تعداد: ۵۰۰

قیمت:

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	

عنوان		صفحہ نمبر
۱۹۔	دوسرا اہم مسئلہ فتنہ مغرب کا مقابلہ	۴۰
۲۰۔	فتنہ مغرب، اسلام اور مسلمان	۴۱
۲۱۔	مسلمانوں کے ایک طبقے پر مغربی اثرات	۴۳
۲۲۔	عصرِ حاضر کے لادینی علوم کا مقابلہ	۴۳
۲۳۔	تجدیدِ ایمان ویقین	۴۵
۲۴۔	دینی معیاری لٹریچر کی ضرورت	۴۶
۲۵۔	نظام تعلیم میں اصلاح کی ضرورت	۴۷
۲۶۔	اسلامی تربیتی دارالاقامے	۴۸
۲۷۔	عیسائی مشنریوں کا خطرہ اور اس کا علاج	۴۹
۲۸۔	غیر ممالک میں دعوت کے تقاضے	۵۰
۲۹۔	مبلغین کی تربیت اور ان کے اوصاف	۵۳
۳۰۔	مستقل تبلیغی اداروں کی ضرورت	۵۴
۳۱۔	اسلامی دعوتی لٹریچر کی ضرورت	۵۶
۳۲۔	کفر واسلام کا فیصلہ کن معرکہ درپیش ہے	۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ اصحابہ اجمعین

پیش لفظ

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

بندہ کے شیخ و مربی جناب حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسرو صدر شعبۂ عربی، پشاور یونیورسٹی کی کتاب 'پیام رساں امت' عرصہ دراز پہلے چھپی اور ناپید ہوگئی۔ حضرت کے مرید فلائیٹ لیفٹننٹ بشیر صاحب جو سید سلیمان ندوی پبلک سکول پبی کے بانی ہیں نے اس کی اشاعت کی فکر فرمائی۔ بشیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی دعا اور دم کی برکت سے (Nasopharygeal Carcinoma Grade III) سے شفا عطا فرمائی تھی اس لئے انہیں حضرتؒ کے سلسلے سے خاص مناسبت ہے۔

حضرت مولانا اشرف صاحبؒ ایک عرصہ دراز تک حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تحریک میں چلے اور بے پناہ قربانیاں دیں۔ مولانا الیاسؒ کے صاحبزادے و خلیفہ حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ (تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر) نیز مولانا انعام الحسن صاحبؒ مولانا الیاسؒ کے خلیفہ (تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر) کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ زیرِ نظر رسالہ اسی تحریک کا ایک لائحہ عمل تھا، جسے کُل پاکستان مؤتمرِ علومِ اسلامیہ جامعہ پشاور کے اجلاس میں مارچ ۱۹۶۴ء میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ مضمون اُس مؤتمر کا انتہائی جاندار مضمون تھا جس نے سب دانشوروں کو ہلا کر رکھ دیا۔

بندہ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۹۵ء تیس سال حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے ساتھ رہا۔ اس سے بھی دس سال پہلے یعنی ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۹۵ء تک چالیس سال کے طویل عرصہ پر محیط حضرت نے اس تحریر کے مطابق ایک عملی فضا پشاور یونیورسٹی میں کامیاب قائم فرمائی، جو انتہائی کامیاب ہوئی اور اس کے نتیجے میں لاتعداد طلبا و اساتذہ اسلامی زندگی کے رنگ میں رنگے گئے۔ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ لوگ عالمی سطح پر جانے آنے والے ہوتے ہیں اس لئے اس فضا کے اثرات پوری دنیا بشمول عرب ممالک، برطانیہ، جرمنی، امریکہ، کینیڈا پر پھیلے۔ یوں آپ نے اپنی تحریر کو عالمی تحریک بنایا اور پورے عالم کو متاثر کیا۔

دیباچہ

آئندہ صفحات میں جو مقالہ ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے وہ کل پاکستان موتمر علوم السلامیہ پشاور کے تیسرے اجلاس (منعقدہ ۲۸۔۲۹۔۳۰ مارچ ۱۹۶۴ء) کے لئے لکھا گیا۔ اور اس کے شعبۂ دعوت و ارشاد میں دینی دعوت اور اس کے تقاضے کے عنوان سے پیش کیا گیا تھا۔ اب اس کا نام 'پیام رساں امت' رکھتا ہوں کہ مختصر ہے اور مقالہ کے مقاصد سے مطابقت رکھتا ہے۔ مقالہ تبلیغی مقاصد کے پیش نظر لکھا گیا ہے اور مقالہ نگار کا مدعا ان چند اہم حقائق اور بنیادی ملی مسائل کا اظہار ہے جن سے امت محمدیہ دینی لحاظ سے دوچار ہے۔ ہیچ مداں سمجھتا ہے کہ آج امت اسلامی نقطہ نظر سے جس دینی زوال کا شکار ہے اس کا سبب چند اہم اساسی و بنیادی مقاصد کی بجا آوری میں من حیث الامۃ کوتاہی اور غفلت ہے۔ اسلام کا تقاضا امت مسلمہ سے اتنا ہی نہیں کہ وہ خود انفرادی و اجتماعی لحاظ سے دین کے جزو وکل پر عمل پیرا ہو بلکہ اس کا اپنے پیروکاروں سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ ہر حال میں دین کے داعی و پیام رساں ہوں۔ ان کا اسوہ، افکار و نظریات اعمال و اخلاق، غرض پوری زندگی دعوت کی پرتا ثیر زبان ہو اور ان کی پیہم محنت و مشقت، سعی و کوشش اسلام کے اپنانے اور پھیلانے میں صرف ہو رہی ہو، غرض مسلمان کا حرکت و سکون، تکلم و سکوت دعوت ہو۔ آج امت کے ضعف و اضمحال کا سبب امت کا اپنے مقصد بعثت سے تغافل اور اس کے لئے جہد و محنت سے گریز و فرار اور دینی شعور، فکر صلاح و اصلاح تبلیغی حاسہ اور داعیانہ مزاج کی کمزوری و فقدان ہے۔ آج اگر امت میں یہ جذبہ و داعیہ پیدا ہو جائے کہ اس کا مقصد دین کا حامل بننا اور پیمبرانہ اخلاق و نمونہ اور دعوت سے پورے عالم کو مسلمان بنانے کی کوشش کرنا ہے تو امت کی بگڑی بن جائے۔ زیرِ نظر مقالہ میں امت کی بعثت و مقام دعوت پر اجمالی گفتگو کی گئی ہے اور اس کی ذمہ داریوں کی نشاندہی کی طالبعلمانہ کوشش کی گئی ہے۔ دوسرا مسئلہ امت پر فتنہ مغرب کی مہلک، عالمگیر اور ہمہ گیر اثرات کا ہے۔ گو اس کا مقابلہ ظاہراً کتنا ہی مشکل نظر آتا ہو، امت مسلمہ نے بہر صورت کرنا ہے موجودہ تعلیم کے مضر پہلوؤں سے کس طرح بچا جائے، نسل نو کی تربیت کے لئے دار الاقاموں کی ضرورت مبلغین کی تربیت وغیرہ

عنوانات بھی مقالہ میں آ گئے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عاجز کی اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے اور امت کو اپنے انفرادی و اجتماعی فرائض کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

ہیچ میرز و ہیچ مدان

محمد اشرف خان صدر شعبہ عربی،

اسلامیہ کالج پشاور۔

۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ (۲۴ مئی ۱۹۶۴ء)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

دینی دعوت اور اس کے تقاضے

امت محمد یہ امت مبعوثہ ہے:

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری پیام انسانیت کے نام لے کرآئے، اور آپ کے نائب وجوارح کی حیثیت سے آپ کی امت کو اس پیغام کا حامل وداعی بنایا گیا، اور دعوتی ملت کے وجود وقیام وبقا کو اسلام کی دعوت وجہد ومحنت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ امتِ محمد یہ مرحومہ امتِ مبعوثہ ہے۔ جس کا مقصد وعالم میں برپا کئے جانے کا مدعا دعوت الی الخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ نصوص قرانی اور احادیثِ کثیرہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ آیہ کریمہ:

" **کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر و تؤمنون باﷲ** " (آل عمران۔۱۱۰)

ترجمہ : (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے نکالی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو)

اس بعثت کا اعلان ہے۔

امت کا فریضہ:

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس امت کا بہترین وخیر امت ہونا اس کے داعیانہ مقام اور آمر بالمعروف وناہی عن المنکر ہونے کی حیثیت سے ہے، بقول امام فخر الدین رازی :

" **صِرتم خیر امۃِ بسبب کو نکم امرین باالمعروف وناھین عن المنکر** "

(تفسیر ابن کبیر ج ۳ ص ۲۶)

ترجمہ:۔ تمھیں خیر امت تمہارے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والا ہونے کے سبب سے بنایا گیا ہے) حضرت محمد ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے:۔

’’ قل هذه سبیلی ادعو ا الی اللّٰه علیٰ بصیرة انا و من اتبعنی ‘‘

(یوسف ۔۱۰۸)

ترجمہ: اے محمدؐ ! کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے، میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں، کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میری فرمانبرداری کرنے والے بھی۔

علامہ ابو بکر حصاص رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں

’’ فیـه بیـان انـهٗ مبـعوث بدعاء الناس الی اللّٰه عزو جل علی بصیرة من امره کـانه یبصر بعینه و ان من اتبعه فذلـک سبیله فی الدعاء الی اللّٰه عز وجل و فیه الدلالة علی ان المسلمین دعاء الناس الی اللّٰه تعالیٰ کما کان علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ذلـک ‘‘ (احکام القرآن ۳ ص۲۲۰)

ترجمہ: اس آیت میں بیان ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث کئے گئے ہیں اس طرح کہ آپ ﷺ اپنی دعوت (ودین) کے بارے میں پوری بصیرت وروشنی رکھتے ہیں۔ گویا اس کی (حقانیت وحقیقت) کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور جو آپ ﷺ کا متبع ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اسی بصیرت سے بلاتا ہے، یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مسلمان بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح بلانے والے ہیں، جیسے کہ نبی پاک ﷺ پر یہ ذمہ داری تھی۔

مفسر ان ابن کثیر لکھتے ہیں ’’یـقـول اللّٰه تعالیٰ لرسوله صلی اللّٰه علیه و سلم والی الثقلین الجن والا نس اٰمراً له ان یخبر الناس ان هذه سبیله ای طریقته ان لا اله الا اللّٰه لا شـریـک لـه یدعو االی اللّٰه بها علیٰ بصیرة من ذلـک ویقین وبرهان و کل من اتبعه یـدعـو ا الـیٰ مـا دعا الیه رسو ل اللّٰه صلی الله علیه وسلم علیٰ بصیرة و یقین وبرهان عقلی وشرعی ‘‘ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے ثقلین (یعنی) جن وانس کی طرف مبعوث رسول اللہ ﷺ کو حکم فرماتے ہے کہ لوگوں کو خبر دے دیجئے کہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی شہادت کی طرف دعوت ہی ان کا راستہ، طریقہ، مسلک اور سنت ہے، اس شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس پر دلیل و بصیرت، یقین، و

برہان رکھتے ہوئے بلاتا ہوں، اور ہر وہ شخص جوان کا متبع ہے، اسی بات کی طرف بصیرت ویقین کے ساتھ دعوت دیتا ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے۔

گویا آپ ﷺ کے اتباع کا لازمہ آپ ﷺ کی طرح یقین وبصیرت کے ساتھ دعوت اللہ میں مشغول ہونا ہے۔ اسی ذمہ داری کے پیش نظر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اس داعیانہ طرز پر فرمائی تھی کہ امت دین کی حامل اور داعی بن کر اللہ تعالیٰ کے پیام کو آپ نیابت میں قیامت تک پورے عالم کو پہنچاتی رہے۔ بقول علامہ ابن حیان الاندلسی کے ''پوری دنیا کو خیر کی، کفار کو اسلام کی اور نافرمانوں کو اطاعت کی دعوت دیتی رہے'' (الجرالمحیط جلد۳ ص۲۰) امت کے اس داعیانہ منصب وحیثیت کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حضرت سید الملۃ سید سلیمان ندویؒ اور بعض دیگر علماء نے حضور ﷺ کی بعثتِ ثانیہ قرار دیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت، عالمگیر ودائمی بعثت، قرآن کی ہدایت کا منطقی لازمہ ہی یہی تھا کہ آپ ﷺ سے فیض پا کر، آپ ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کو اپنا کر، آپ ﷺ کے جوارح اور نائب کی حیثیت سے ہمیشہ دعوت کا فریضہ انجام دیتی رہے، اور جملہ اقوام وملل کا رشتہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین واحکام سے استوار کرتی رہے، تاکہ قیامت تک دعوت کا الٰہی نظام قائم ودائم رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کا یہ بلیغ فقرہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ '' **الا لیبلغ شاھد کم غائبکم لا نبی بعدی ولا امة بعد کم** '' (البدایۃ والنہایۃ بحوالہ البزار ج ۵ ص۲۰۲)

ترجمہ: تم میں جو حاضر ہیں غائب تک (میرا پیام) پہنچادیں، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری وجامع ترمذی کی ایک روایت میں آپ ﷺ کا قول '' **فلیبلغ الشاھد الغائب** ''، نقل کر کے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر بیان کیا گیا ہے'' **فوالذی نفسی بیدہ انھا لوصیة الی امته** '' (صحیح بخاری باب خطبۃ ایام المنیٰ، البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص۱۹۴ بحوالہ ترمذی حدیث حسن صحیح)

ترجمہ:۔ (خدا کی قسم یہ کلمات حضور ﷺ کی اپنی امت کو وصیت تھی) بعض روایات میں

اس حدیث کے آخر میں کچھ اور کلمات نقل کیے گئے ہیں۔" **فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھوا وعی له منه** " (ممکن ہے حاضر العلم شخص اس شخص تک اس کو پہنچا دے جو زیادہ اس علم کو سنبھالنے اور حق ادا کرنے والا ہو) صحیح بخاری باب قول النبی ﷺ **رُبَّ مبلغ اوعیٰ من سامع**)اس مفہوم کی روایت ترمذی ج ۲ ص ۹۰، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹، اور ابن ماجہ ص ۲۱ وغیرہ میں بھی ہیں۔ گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ کم علم والے زیادہ علم و سمجھ والوں تک بھی دین کی بات پہنچانے میں شرم و دریغ نہ کریں کہ دین کی سرسبزی و شادابی اسی تبلیغ پر موقوف ہے، اسی مناسبت سے ارشاد ہے۔

" **نضر اللّٰہ امراءِ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه** "

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۵)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے (دین کی) کوئی بات سنی پھر اسی طرح اسے دوسرے تک پہنچا دیا) اس بات کے پہنچانے میں علم کثیر کی ضرورت نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ " **بلغو عنی ولو آیة** " (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۱، ترمذی ج ۲ ص ۹۱)

ترجمہ: (دوسروں تک پہنچاؤں خواہ مجھ سے ایک آیت ہی (تم تک) پہنچی ہو)

آپ ﷺ نے وفد عبدالقیس کو فرمایا:۔" **احفظو و اخبرو به من ورائکم** " (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵)

ترجمہ: (جو ہدایات تمہیں دی ہیں) انہیں یاد رکھو اور جو تمہارے پیچھے (تمہاری قوم ہے) اسے اس کی خبر پہنچا دو۔) حضرت علیؓ کو خیبر میں جھنڈا عنایت کرتے ہوئے فرمایا:

" **ادعھم الیٰ الاسلام و اخبر ھم بمایجب علیھم فواللّٰہ لان یھدی بک واحد خیرلک من حمر النعم** " (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۳)

ترجمہ:۔ انہیں اسلام کی طرف بلاؤ (اور اگر اسلام قبول کر لیں) تو انہیں ان احکام کی خبر دے جو ان پر واجب ہیں، پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر تیرے وجہ سے ایک شخص بھی ہدایت پا گیا تو تیرے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابن سعد الساعدی کو بھی اسی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹) استقصا مقصود نہیں، کتاب و سنت کے دفاتر امت کے اس دعوتی منصب اور اس کے متعلقہ فرائض

کے احکام وفضائل سے گرانبار (بھرے ہوئے) ہیں، ان تعلیمات کا حاصل امام رازی کے موجز الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے۔

'' کو نوا امة دعاة الی الخیر اٰ مرین باالمعروف ناھین عن المنکر ''

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹)

ترجمہ: ہو جاؤ تم ایک امت بھلائی کی دعوت دینے والی، نیکی کا حکم کرنے والی، برائی سے روکنے والی۔

صحابہ کا نمونہ:

انہیں ہدایات کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ میں ہر شخص امت کی بعثت کا مُقِر اوراس سے پیدا شدہ تقاضوں کا داعی تھا، ان کا اسوہ اور کارنامے امت کی دعوتی حیثیت کا ایک نا قابلِ انکار وبیّن ثبوت ہیں۔ تاریخ وطبقات اور رجال کی کتابیں صحابہ کی اس دعوتی زندگی سے پر شور ہیں۔ان میں ہر فرد امت کی بعثت کا اعتراف واعلان **علیٰ روس الاشھاد** کرتا تھا، جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار، میں نعمان ابن مقرن نے کج کلاہِ ایران یز دگر کے سامنے اور مغیرہ ابن شعبہ نے رستم کو مسلمانوں کے سفراء کی حیثیت سے امت کے منصبی مقام کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔ ربعی ابن عامر ؓ نے ایرانی سپہ سالار رستم کو اس بارے میں جو کہا تھا، آج بھی ہر مسلمان کے لئے منشورِ ہدایت ہے فرمایا :

'' اللّٰہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الیٰ عبادۃ اللّٰہ و من ضیق الدنیا الیٰ و سعتھا و من جور الا دیان الی عد ل الا سلام فارسلنا بدینہ الیٰ خلقه لندعوھم الیه '' (البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلدسوم ص ۳۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے تا کہ جسے اللہ چاہے اسے ہم لوگوں کی بندگیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی فراخی میں اور (باطل) مذاہب کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف میں داخل کریں، پس اس نے ہمیں اپنے دین (کے پیغام) کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ ہم انہیں اس کے دین کی طرف بلائیں۔

ہر صحابی داعی تھا:

یہی احساس تھا جس کی وجہ سے صحابہ ؓ کا ہر شخص ایمان لاتے ہی داعی بن جاتا تھا، ابن اثیر الجزری نے اسد الغابہ میں کئی صحابہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ حضور پاک ﷺ کے پاس آئے، ایمان لائے، اور پھر اپنے قبیلہ کو دین کی دعوت دی۔ (ودعا قومہ الی الاسلام۔ اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۲۳، ۲۲۹)

ہیچمدان سمجھتا ہے کہ حضور ﷺ کی دعوت کا یہ خاصہ تھا کہ جو بھی آپ کے دستِ پاک پر اسلام سے مشرف ہوتا تھا، انسان ہو یا جن، ایمان کے نور کے ساتھ دعوت کا داعیہ وجذبہ اور اس کیلئے قربانی وایثار جدو جہد کا غلبہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا تھا۔ صحابہ کرام ؓ کے کارنامے اس پر شاہد ہیں، مثال کے لئے ابتدائے اسلام میں صرف ابوبکر صدیق ؓ کے ایمان ودعوت اور جنات کے ایک گروہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو ایمان لاتے ہی سراپا دعوت تھے۔

" **فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی رسول اللّٰہ ادعوک الیٰ اللّٰہ فلما فرغ من کلامہ اسلم ابو بکر فا نطلق عنہ رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم وما بین الا خشبیین احد اکثر سرورا منہ باسلام ابی بکر ومضی ابوبکر فراح لعثمان بن عفان ، و طلحہ بن عبید اللّٰہ و الزبیر بن العوام و سعد بن اابی وقاص فاسلموا ثم جاء الغد بعثمان بن مظعون و ابی عبیدہ بن الجراح وعبد الرحمن بن عوف و ابی سلمہ بن عبد الا سد والا رقم فاسلمو رضی اللّٰہ عنہم** " (البدیۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۹)

ترجمہ: رسول اللہ نے (ابوبکر ؓ کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے) فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں جب آپ کی بات ختم ہوئی حضرت ابوبکر ؓ اسلام لے آئے (ان کے اسلام لانے کے بعد) ابوبکر صدیق ؓ کے پاس سے رسول اللہ ﷺ چلے گئے اور مکہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان آپ سے زیادہ ابوبکر ؓ کے ایمان پر کوئی شخص خوش نہ تھا۔ ابوبکر ؓ بھی لوٹے اور عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد ابن ابی وقاص کے پاس گئے، (اور انہیں اسلام کی دعوت دی) اور وہ سب اسلام لے آئے، پھر دوسرے دن عثمان ابن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراح، اور عبدالرحمٰن بن عوف، ابی سلمہ بن عبد الاسد اور الارقم بن الارقم کو لے کر آئے انہیں اسلام کی دعوت دی، اور سب اسلام لے آئے۔ (رضی اللہ عنھم)

ابن اسحاق اس بارے میں لکھتے ہیں " **فلما اسلما ابو بکرؓ و اظھر اسلامه دعا الیٰ اللّٰه عزّ و جل** " (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۷۶) ترجمہ: (یعنی جب ابو بکرؓ اسلام لائے اور اسلام کو ظاہر کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی)

ابن اثیر نے لکھا ہے۔" **فجعل یدعو االی الاسلام من یغشاه و یجلس الیه** "

(اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۰۶)

ترجمہ: (یعنی جب ابو بکرؓ اسلام لائے تو) جو لوگ ان کے پاس آتے تھے اور بیٹھتے تھے، برابر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے) چنانچہ اسی بنا پر آپ کے ہاتھ پر عشرہ مبشرہ کے پانچ افراد کے علاوہ ایک پوری جماعت اسلام سے مشرف ہوئی۔ (اسلم علیٰ یدہ جماعۃ اسد الغابہ تذکرہ عثمان) اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کا مشغلہ ایمان لاتے ہی دعوت و تبلیغ بن گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس جنات کا ایک گروہ آیا قرآن سنا اور ایمان لایا اور اپنی قوم کی طرف جب لوٹا تو وہ اسلام کا داعی تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

" **واذ صرفنا الیک نفر من لجن یستمعون القران ج فلما حضروه قالوآ انصتوا ج فلما قضی ولو الیٰ قومهم منذرین ○ قالوا یقومنا انا سمعنا کتبا انزل من بعد موسی مصدقالما بین یدیه یهدی الی الحق و الیٰ طریق مستقیم ○ یقومنا اجیبو داعی اللّٰه وامنو به یغفر لکم من ذنوبکم و یجر کم من عذاب الیم ○** " (احقاف۔ ۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ: ہم نے جب جنوں کی جماعت کے رخ کو اے پیغمبرؐ تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ آئے تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا چپ رہو جب قرآن کریم ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خبردار کریں۔ انہوں نے جا کر کہا بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے اس کے پہلے جو کتاب الٰہی آئی ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ بتاتی ہے۔ اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ صحابہ جن ہوں یا انسان، ایمان لاتے ہی دین کے داعی اور مبلغ بن

جاتے تھے۔ وقت کی قلت مانع ہے ورنہ تفصیلاً بتایا جاتا کہ اسلام کے ان ابتدائی پیروکار داعیان حق و داعیان اسلام کی جماعت نے جن کے مجاہدات اور خون سے دین کا باغ برگ بار لایا کس طرح اپنی جانوں پر سہہ کر آگ و خون، مصائب و آلام، شدائد و بلایا، فقر و فاقہ، ہجرت و نفر، کے زہرہ گداز مراحل میں سے گزر کر ایمان و عمل صالح کا نمونہ اور دعوت و تبلیغ کا اسوہ پیش کیا تھا۔ ایک بات واشگاف الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ جن صحابہ نے بھی حضرت محمد ﷺ کے دستِ مبارک پر ایمان کا عہد و پیمان باندھا، سابقین صحابہؓ میں سے وہ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ ہوں یا صہیبؓ و بلال، عمارؓ و یاسرؓ یا بعد کے آنے والوں میں عکرمہؓ و حارثؓ، سہیلؓ و وحشیؓ ہوں سب کی زندگیوں کا خصوصی امتیاز بیعتِ ایمان سے لے کر لقائے رب تک ایمان و عمل صالح کی کوشش کے ساتھ دعوت و تبلیغ اقامتِ دین و اعلاء کلمۃ اللہ کی مسلسل و پیہم جہد و محنت ہے۔ صحابہ کی زندگی میں شخصی اعمال اور اجتماعی حقوق و فرائض کی ادائیگی اور داعیانہ کوششوں میں دوئی کہیں نظر نہیں آتی۔ ایمان لاتے ہیں، ذاتی اصلاح و شخصی اعمال کی فکر و پابندی کے ساتھ دعوت کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں اور موت کے وقت تک احیاء و فروغِ دین کے لئے کوششوں اور قربانیوں میں کمی نہیں ہوتی۔ قرآن گواہی دیتا ہے: "**منهم من قضٰی نحبه و منهم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلا**" (احزاب۔۲۳) ترجمہ: (پس بعض ان میں سے وہ ہیں جنھوں نے پورا کر دیا اپنا عہد (یعنی جہاد میں جان دے دی) اور بعض وہ ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے نہیں بدل ڈالا کچھ بدل ڈالنا (یعنی اپنے عہد وفا کو نہیں بدلا) بلکہ ان کی غیرتِ ایمانی اور اشاعت و بقائے حق کا والہانہ جذبہ دین میں ادنیٰ کوتاہی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو بیقرار ہو جاتے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا مشہور فقرہ "**اینقص الدین وانا حی**" (دین میں نقص آ جائے اور میں زندہ رہوں، یہ کیسے ممکن ہے) اور حضرت انسؓ بن النضر کا قول "**قوموا ! فموتوا علیٰ مامات به النبی صلی اللہ علیه وسلم**" (اُٹھو اور دو جان اس چیز پر جس پر جان دی حضور ﷺ نے) (زاد المعاد ابن قیم ج ۲ ص ۹۳) اسی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہیں۔ صحابہؓ کا کوئی طبقہ ہمیں معلوم نہیں جو اپنے علم و استعداد کے بقدر دین کا حامل اور داعی نہ ہو۔ صحابہؓ کا یہی داعیانہ مزاج اور دین کی اشاعت کے لئے والہانہ و سرفروشانہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے اسلام تیس سال کے قلیل عرصے میں عالم کی سب سے بڑی روحانی و سیاسی طاقت بن گیا۔

علامہ ابن کثیر نے تفسیر میں ایک موقع پر کیا خوب لکھا ہے:

''و قد کان للصحابة رضی اللّٰہ عنهم فی باب الشجاعة و الائتمار بماامر هم اللّٰه ورسوله به وامتثال ما ارشدهم الیه مالم یکن لا حد من الامم والقرون قبلهم ولا یکون لا حد من بعدهم فانهم ببرکة الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم و طاعتهٖ بما امر هم فتحو ا القلوب والا قالیم شرقاو غربا فی المدة الیسیرة مع قلة عددهم بالنسبة الیٰ جیوش سائرالاقالیم من الروم والفرس والترک و الصقالیة و البربرو الحبو ش و اصناف السودان و قبط و طوائف بنی ادم ، قهر والجمیع حتی غلبت کلمة اللّٰه و ظهر دینه علیٰ سائر الادیان وامتدت الممالک لا سلا میة فی مشارق الارض و مغاربها فی اقل من ثلا ثین سنة فرضی اللّٰه عنهم و ارضاهم اجمعین ''

(تفسیر ابن کثیر جلد۲ ص۳۱۶)

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا بہادری وشجاعت اور اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری اور ان کی ہدایات وپیروی وتعمیل میں وہ انچا مقام اور درجہ ہے جس تک امم سابقہ اور قرونِ ماضیہ میں کسی کی رسائی نہ ہوسکی تھی اور نہ اس بلندی پر ان کے بعد کوئی پہنچ سکا۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی برکت اور آپ کے احکام کی تابعداری کی وجہ سے تھوڑی سی مدت میں مشرق سے مغرب تک قلوب وممالک کو فتح کیا اور اسی قلت مقدار کے باوجود جو روم، فارس، ترک، صقالیہ، بربر، حبش قبائل، سوڈان وقبط اور دوسرے انسانی طبقات وممالک کی فوجوں کے مقابل میں تھی، انہوں نے سب کو مغلوب کرلیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوگیا اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا اور ممالک اسلامیہ تیس سال سے بھی کم مدت میں روئے زمین کے مشرق ومغرب میں پھیل گئے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین۔

صحابہ کرامؓ نے اقامتِ دین، اشاعتِ اسلام تبلیغ و جہاد کے فرائض کو کمال، انہماک، انتہائی خلوص، پورے فکر کامل مستعدی اور بے جگری سے ادا کر کے خیر الامم کی آئندہ نسلوں کے لئے نمونہ قائم کردیا کہ یہ شاہد علی الناس، آخر الامم خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی نیابت میں تا قیامِ قیامت ہدایت خلق، تعلیم کتاب وحکمت، تربیت نفوس، تزکیہ قلوب، اجرائے احکام الٰہی، نفاذ شریعت کے پیمبرانہ فرائض اس

کی روشنی میں ادا کر سکے تا کہ عالم میں عدل وانصاف کی خدائی میزان قائم ہو۔اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہواور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی کا مقصد پورا ہو۔ارشاد باری ہے۔

” و کذلک جعلنا کم امة و سطا لتکونو ا شهدآء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیداً “ (البقرہ۔ ۱۴۳)

ترجمہ: اورتم کوایسی جماعت بنادیا جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو، اوررسول اللہ ﷺ تم پر گواہی دینے والے ہوں۔

گویا یہ ملت عادلہ اس عالم میں اقوامِ عالم کواعتدال وانصاف کے الٰہی اصولوں پر چلانے کی اورعدل کے ربانی میزان کو برابر رکھنے کی ذمہ دارٹھہرائی گئی ہے۔عالمِ آخرت میں بھی اس کی عادلانہ گواہی امِم سابقہ پر میزان عمل کے وقت فیصلہ کن ثابت ہوگی، کہ یہ خیرالامم، دارین میں مرادالٰہی کے شیوع واجراء اوردین ربانی کے پھیلنے کا ذریعہ ہواور عالمِ معاد میں خدائی انصاف کی تکمیل پراس کی زبانِ عدل آخری مہر ثبت کرے۔اسی مضمون کوسورۂ حج کے آخر میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

” و جاهدو فی اللّٰه حق جهاده هو اجتبکم وماجعل علیکم فی الدین من حرج ط ملة ابیکم ابراهیم ط هو سمّٰکم المسلمین من قبل و فی هذا لیکون الرسول شهید علیکم و تکونوا شهداء علی الناس “ (حج۔۷۸)

ترجمہ: (اوراللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کروجیسا کوشش کرنے کا حق ہے اس نے تم کو (اورامتوں سے) ممتاز فرمایا۔اوراس نے تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر ہمیشہ قائم رہو۔اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور(اس قرآن) میں بھی تا کہ تم پر رسول اللہ ﷺ گواہ ہوں اورتم لوگوں کے اوپر گواہ ہو۔

امت عزلت وقعود کی زندگی نہیں گزارسکتی:

ظاہر ہے کہ ایک ایسی امت جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خلافت وانبیاء علیہم السلام اورخاص کر اپنے نبی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نیابت اور جملہ انسانیت کی طرف بعثت کے منصب جلیل سے نوازی گئی ہو، جونسل نسانی کی قیامت تک نگران بنائی گئی ہو، جسے وجود ہی دنیا میں نظام عدل کے قائم

کرنے ، احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور جملہ اقوام وملل کے لئے خیرو بھلائی کا نمونہ، تقویٰ و ہدایت کا امام و پیشوا بننے کے لئے بخشا گیا ہو۔ جس کا فریضۂ منصبی ہی دعوت الیٰ الخیر، رہنمائی خلق، اشاعتِ احکام، اقامتِ دین، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو جس کا وظیفہ بنی آدم کے قلوب کا تصفیہ وتزکیہ، اخلاقِ عالیہ کی حفاظت اور الٰہی رنگ کا عالم میں نکھارنا ہو۔ کس طرح غفلت وقعود (بیٹھ جانا)، عزلت ورہبانیت کی زندگی گزار سکتی ہے؟ اس منصبِ رفیع اور مقاصد وفرائضِ عظیمہ کا تقاضہ اور لازمہ ہی دعوت وتبلیغ، جہد وجہاد اور اقامت دین کے متعلق جملہ امور کی کوشش ٹھہرتا ہے وہ تخت پر ہو یا بوریائے فقر پر، ہر حال و ہر حالت میں ہر مقام و ہر وقت وہ داعی امت ہے اور اشاعتِ حق و اقامتِ دین کی کوشش میں مشغول ومصروف۔ چنانچہ اس کا صحیفہ آسمانی دعوت وجہد فی اللہ کے نغموں سے پُر ہے۔ بقول علامہ ابن تیمیہ کے:

"والقرآن مقصوده بيان الحق و دعوة العباداليه"

(کتاب الرد علیٰ المنطقین ص ۴۶۸)

ترجمہ:۔ (قرآن کا مقصود حق کا بیان اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے)

پیغمبرِ اسلام ﷺ کا نمونہ سراپا دعوت اور **انما بعثنی الله مبلّغا** (ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مبلغ مقرر کیا ہوا ہے۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۶۶) کا عملی بیان ہے۔ صحابہ کرامؓ اور صلحائے امت کا اسوہ اسی منصب جلیل کے بقاوقیام کی جدو جہد کا عالیشان منظر ومظہر ہے۔ اسلام کا دینی ذخیرۂ کتب اور عملی دفاتر اس عظیم ذمہ داری کے احکام و ہدایت سے روشن ہیں۔ اس بناء پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت الی اللہ اور جہاد بالقرآن کا جو اہتمام و اہمیت اس امت میں رہی ہے اس کی نظیر دوسری اقوام وملل میں مفقود ہے۔ قرآن کریم نے دعوت بالقرآن کو جہاد کبیر قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

"فلا تطع الكفرين و جاهد هم به جهاد كبيرا" (فرقان ۔۵۲)

ترجمہ:۔ (تو کافروں کا کہنا نہ مان اور بذریعہ قرآن تو ان سے جہاد کر بڑا جہاد)

امام ابوبکر حصاص رازی حنفی نے اس پر قابلِ دید بحث کی ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اس جہد وجہد کے متعلق امام موصوف ارقام فرماتے ہیں :

"ليس بعد الايمان باللّٰه ورسوله فرض آكد ولا اولىٰ بالا يجاب من الجهاد

و ذلک انه بالجهاد یمکن اظهار الاسلام و ادآء الفرائض وفی ترک الجهاد غلبة العدو و دروس الدین وذهاب الاسلام" (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد کوئی فرض اتنا مؤکد اور وجوب میں اولیٰ نہیں جس قدر جہاد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا ظہور و غلبہ اور فرائض کی ادائیگی (دین کے فروغ واعلاء کلمۃ اللہ کی محنت) جہاد پر ہی موقوف ہے اور اس (دینی محنت) و جہاد کے ترک کا لازمی نتیجہ دشمن کا غلبہ، دین کا مٹنا اور اسلام کا رخصت ہو جانا ہے۔) یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہوگی کہ ایرانی جرنیل کے اس سوال کے جواب میں کہ دین حق کیا ہے؟ " اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ایمان اور ما جاء بہ النبی ﷺ کے اقرار کے بعد مغیرہ بن شعبہ ؓ نے بھی دعوت کی کوشش ہی کو اسلام کا بنیادی عمل قرار دیا تھا۔ ان کے الفاظ ہیں: " **و اخراج العباد من عبادة العباد الیٰ عبادة اللّٰه** "

ترجمہ:۔ شہادتین اور جو کچھ رسول ﷺ لیکر آئے ہیں اس کے بعد سب سے اچھا عمل لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنا ہے۔

دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت:

امام غزالیؒ نے کیا خوب لکھا ہے: "**فان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر هوا لقطب الاعظم فی الدین وهو المهم ابعث اللّٰه له النبیین اجمعین و لو طوی بساطه و اهمل عمله وعمله لعطّلت النبوة و اضمحلت الدیانة وعمت الفترة وفشت الضلالة و شاعت الجهالة و استری الفساد واتسع المخرق وخربت البلاد و هلک البلاد ولم یشعروا بالهلاک الایوم التناد**" (احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰۲)

ترجمہ: امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا مدارِ اعظم ہے۔ یہی وہ مہم (اہم) مقصد ہے جس کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اگر اس کی بساط الٹ جائے اور اس کے علم وعمل سے غفلت برتی جائے تو نبوت ہی معطل و بے کار ہو جائے، دین مضمحل ہو جائے اور سستی و گمراہی عام ہو جائے اور جہالت پھیل جائے، فساد چھا جائے، بربادی وسعت اختیار کرے، ملک برباد اور مخلوق ہلاک ہو جائے اور اس تباہی کا احساس بھی اتنا مر جائے کہ قیامت تک نہ ہو۔

امت کی منصبی ذمہ داریوں کی بناپر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو بھی دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کردیا ہے اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا ہے ارشاد ہے

"یا یھا الذین امنو ان تنصرو االلّٰہ ینصرکم و یثبت اقدامکم " (محمد ۔۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جمادے گا تمہارے پاؤں۔

" ولینصر ن اللّٰہ من ینصرہ ا ن اللّٰہ لقوی عزیز " (الحج ۔۴۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کے (دین کی) مدد کریگا بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہی زور والا۔

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن لمنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) دعائیں مانگے گی وہ بھی قبول نہیں ہوگی ۔ ارشاد نبوی ہے۔ **"مرو ابالمعروف و انھوا عن المنکر قبل ان تدعو االلّٰہ فلا یستجیب لکم وقبل ان تستغفرو ہ فلا یغفر لکم "** (کنز العمال ج ۲ ص ۴۴۶ بحوالہ احمد عن ابن عمر)

ترجمہ: نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو پیشتر اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور وہ قبول نہ ہو اور پیشتر اس کے کہ اس سے مغفرت مانگو اور تمہیں بخشا نہ جائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، " اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور نیکی کا حکم کرو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جلد عذاب بھیجے گا۔ پھر تم دعا کرو گے وہ بھی قبول نہیں ہوگی (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف بحوالہ ترمذی) اس قسم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی یہی اہمیت ہے جو مسلمانوں کو سلطنت وحکومت میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں رکھتی بلکہ مسلمانوں کو اگر **تمکن فی الاارض** (حکومت) بخشا جاتا ہے تو وہ شخصی واجتماعی اوامر الٰہیہ کو نافذ اور عام کرنے کے لئے ہی عطا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

"الذین ان مکنھم فی الا رض اقامو االصلوٰۃ وا تو لزکوٰۃ وامر و بالمعروف

ونهو عن المنكر ط و لله عاقبة الامور " (الحج۔۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

غرض امت کی جان دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امت میں جس قدر ان اعمال کی پابندی ہوگی، دنیوی واخروی فوز و کامرانی سے سرفراز ہوگی، اور جس قدر ان اعمال میں کوتاہی واقع ہوگی، امت زوال و اضمحلال میں مبتلا ہوگی۔ دین کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر قبول ہدایت کے لئے دروازے مفتوح ہوتے ہیں اور افراد و اقوام دین میں داخل ہوتی ہیں۔ ارشاد الٰہی " اذا جآء نصر الله والفح ورایت الناس ید خلون فی دین الله افواجا " سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ جس کی موید بے شمار آیتیں اور احادیث ہیں۔

امت کا خصوصی طرزِ تربیت:

گزر چکا کہ یہ خیر الامم ایک داعی امت ہے جو تمام عالم کے انسانوں کی طرف جملہ انبیاء اور خصوصًا خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں ہدایت اور دین ربانی کی دعوت و اشاعت کے لئے مبعوث کی گئی ہے۔ منصب نبوت و رسالت و خصائص نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اس امت کو انبیاء علیہم السلام کے مماثل فضائل و کمالات، خصائل و مزایا سے سرفراز کیا گیا ہے۔ (چنانچہ اس مشابہت کی روایات کنز العمال وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ (دیکھو ص ۲۳۳،۲۳۴ ج ۶) چنانچہ اس امت کو من حیث الامۃ صلاح شخصی، تربیت ذاتی و نفسی اور دعوتِ خلق و اصلاح بنی آدم کا وہ جامع و مانع نظام ہدایت و تربیت عطا فرمایا گیا جو انبیاء علیہم السلام کے طُرقِ تربیت و دعوت سے مشابہت رکھتا ہے، جو فرد و جماعت کی اصلاح و فلاح تربیت و ترقی کا بیک وقت کفیل ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کا فریضہ منصبی دعوت و تبلیغ تھا۔ ان کی حیات اشاعتِ دین و ترویج احکام کی کوشش کا دوسرا نام ہے۔ وہ اپنے وظائف زندگی کے ساتھ اپنے شخصی و نجی عبدیت و عبودیت والے اعمال کے پابند رہتے تھے۔ گو امت کے لئے یہ اعمال بھی دین کے قابلِ اتباع احکام کا حکم رکھتے تھے۔ بہر حال ان کی ناسوتی زندگی میں ان کی ترقیات خصائص نبوت و موہباتِ خاصہ کے علاوہ دعوت اور دینی جہد و محنت کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں اور دعوت کے پہلو بہ پہلو ان کی شخصی زندگی

کے فرائض کی تکمیل ہوتی تھی۔ اب جب کہ امت محمدیہ مرحومہ انبیاء علیہم السلام کی نائب بن کر آ گئی ہے اسے بھی تربیت واصلاح کا ایسا دستور بخشا گیا جس میں امت کے اجتماعی وانفرادی فرائض واعمال میں دوئی وغیریت نہیں رہی، بلکہ دونوں قسم کے احکام توام اور ایک دوسرے کے بیک وقت معین ومددگار ہیں۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل اور دعوت الی الخیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے افراد کی شخصی تربیت و اصلاح ، روحانی ترقی و معاشی ضروریات کا بھی سامان ہو سکے۔ چنانچہ امتِ مبعوثہ کو وہ طریقہ حیات عطا فرمایا گیا۔ جس میں وہ دعوت و تبلیغ کے فرائض منصبی کو ادا کرتے ہوئے اپنے شخصی وذاتی اعمال میں مشغول ہو اور اجتماعی وانفرادی کسی حیثیت میں دعوت وتبلیغ کو ثانوی درجہ نہ دے۔ اجتماعی حیثیت سے دعوت کی اولیت ومقصودیت آیۃ

”کنتم خیر امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باﷲ“ (آل عمران۔۱۱۰)

ترجمہ : (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے نکالی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) پر غور کرنے سے اور انفرادی حیثیت سے آیۃ **”و من احسن قولا ممن دعا الی اللّٰہ وعمل صالحا و قال اننی من المسلمین“** (حٰم سجدہ۔۳۳) ترجمہ: (اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں حکمبر دار ہوں) پر تدبر سے سب سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اس امت اور اس کے افراد کی تربیت وترقیات کا میدان ذاتی اعمال کی اصلاح کے ساتھ دعوت کی راہ میں جہد ومحنت کو قرار دیا گیا اور یہ اس امت کا امتیاز اور خاصہ ہے ورنہ امم سابقہ کے افراد کی محنتیں اپنی ذاتی نجات کی ہی کوشش پر عموماً موقوف ہوتی تھیں اور وہ اپنے ذاتی اعمال کی بجا آوری کے بقدر ترقیات پر فائز ہوتے تھے۔ خیر الامم (جو اقوام عالم کی طرف مبعوث ہے) کو پوری امت وانسانیت کی اصلاح وفلاح کا نصب العین و فکر عطا فرما کر پوری انسانیت کی نجات کے لئے سعی ومحنت کرنے والا بنایا گیا۔

؎ مسلمانی غمے در دل خریدن چوں سیماب از تپِ یاراں تپیدن

حضور ملّت از خود در گزشتن دگر بانگ انا لملت کشیدن

ترجمہ: مسلمانی تو دل میں غم خریدنا ہے اور پارے کی طرح دوستوں کی تکالیف کو اپنے اوپر لینا ہے۔ ملت کے لئے اپنی سوچ اور مفاد کو چھوڑتے ہوئے یہ نعرہ لگانا ہے کہ میں ملت ہوں۔

اب اس امت کے افراد ذاتی اصلاح کی فکر و کوشش کے ساتھ جس قدر اخلاص و منہاج نبویؐ کے مطابق دعوت الی اللہ اور دین کی اشاعت میں سرگرم ہوں گے، ان کے باطنی جواہر چمکیں گے، ملکات قدسیہ نکھریں گے، نصرت الٰہی اور فیوض نبویہؐ سے مالا مال ہوں گے اور ذاتی و ملی صلاح و اصلاح کی دوگونہ کوشش ان کے دینی و دنیوی درجات کو بلند کریگی۔ غرض حکمتِ الٰہی نے امتِ مسلمہ کی تربیت و اصلاح کا وہ طریقہ منتخب فرمایا۔ جو معاً اس کے شخصی و اجتماعی، ذاتی و ملی مقاصد کے پورا ہونے اور فرد و جماعت دونوں کی اصلاحِ تام پر حاوی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر و يقيمون الصلوٰة و يؤتون الزكوٰة ويطيعون اللّٰه ورسوله ط اولٰئك سيرحمهم اللّٰه ان اللّٰه عزيز حكيم" (التوبہ۔۷۱)

ترجمہ: ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

یہاں امت کے فریضہ منصبی امر بامعروف اور نہی عن المنکر کو مقدم بیان فرما کر اس کے اعمال شخصیہ نماز زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول ﷺ کا اس کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مومنین اپنی ملی ذمہ داری کو اپنی ذاتی اصلاح والے اعمال کے ساتھ برابر ادا کرتے رہتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ ان کے فرائض منصبی سے غفلت ہو جائے یا وہ اپنی ذاتی اصلاح میں کوتاہی برتنے لگیں۔ سورۃ العصر میں بھی انہیں لوگوں کو دائمی خسارہ و نقصان سے مامون قرار دیا ہے جو ایمان و اعمال صالحہ (شخصی اعمال) اور تواصی بالحق و تواصی بالصبر (اجتماعی اعمال) کے جامع ہیں۔ اس بنا پر پوری امت پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض

قرار دیا۔ جیسا کہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔ امام رازی و علامہ بغوی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں: "ان اللّٰہ اوجب الامر باالمعروف ونھی عن المنکر علی کل الامۃ فی قولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ (الیٰ آخر)" ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمام امت پر اپنے قول "کنتم خیر امۃ" کے مطابق واجب قرار دیا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من رائ منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان" (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۱، معالم بغوی ج ۱ ص ۳۳۴)

ترجمہ: (تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے، اسے ہاتھ سے بدلے (روک دے) اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کر دے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل (کی ہمت و توجہ سے) اسے بدلنے اور دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ آخری بات ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

احمد و مسلم کی اس قسم کی ایک اور روایت میں ہے: "ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل" (کنزالاعمال ج ۲ ص ۱۷۰ براویت ابن مسعود)

ترجمہ: جس نے ان برائی کرنے والوں سے سب سے آخری درجہ میں (دل کی ہمت و توجہ سے) جہاد و محنت کی (کہ وہ برائی دور ہو جائے) تو وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا (وجود یا درجہ) نہیں) حافظ ابن کثیر نے اس حدیث سے امت کے ہر فرد پر اس کی طاقت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وجوب ثابت کیا ہے) (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۰)

شخصی مسئولیت:

اسی طرح ہر شخص کو اپنے دائرہ اقتدار و اثر میں ذمہ دار و مسئول ٹھہرایا کہ وہ اپنی پوری قوت و طاقت، اثر و رسوخ کے بقدر انہیں منہیات سے روکے گا اور نیکی اور احکام کی پابندی پر انہیں گامزن کرنے کی کوشش کرے گا اور اپنی زیرنگرانی اشیاء کی حفاظت و استعمال احکامِ الٰہی کے مطابق کرے گا۔ مشہور حدیث ہے:

"قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم کلکم راعٍ و مسؤل عن رعیتہ فالا میر الذی علی الناس راع علیھم وھو مسئول عنھم والرجل راع علیٰ اھل بیتہ وھو مسئول عنھم

والمراءۃ راعیۃ علی بیت بعلھا والعبد راع علیٰ مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم مسئول عن رعیتہ " (صحیح بخاری عن ابن عمر ج ۱ ص ۳۴۷)

ترجمہ: (فرمایا، تم میں سے ہر شخص راعی رکھوالا (یا نگہبان وذمہ دار ہے) اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا (کہ اس نے کہاں تک انہیں احکام الٰہی کے پابند بنانے اور برائیوں سے روکنے کی کوشش کی) اور مرد اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی، عورت اپنے خاوند اور اولاد کی نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھ ہوگی اور غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے۔ اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ پس یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے (دائرہ نفوذ وعمل) میں ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی متعلقہ رعیت کے متعلق سوال ہوگا) اس عمومی مسئولیت خاصہ کا یہ اصول حضرت محمد رسول ﷺ نے ہی انسانیت کو بتایا اور اپنی امت کا اسے امتیاز قرار دیا۔ اپنے اہل و متعلقین اور ماتحتوں کی ذمہ داری اور اعمال کی نگرانی کے اس اصول کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

"یا یھا الذین اٰمنو قو انفسکم و اھلیکم ناراً" (التحریم ۔ ۶)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اہل کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (کہ انہیں نیکی کا پابند بناؤ اور برائی سے روکو)

مفسرین نے "اہل" میں اہلِ قرابت اور دیگر ماتحت طبقہ کو بھی شامل کیا ہے۔ گویا ہر مسلمان کو اپنے اپنے دائرہ میں خصوصی نگران و ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ وہ برائی کے مٹانے اور خیر و بھلائی کے پھیلانے کے لئے حکمت و شائستگی سے اپنے پورے اختیار و قوت، اقتدار و رسوخ کو اپنے حلقہ اثر اور ماتحتوں میں استعمال کریگا اور عملاً انہیں نیک بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا۔ اور جہاں تک اس کا دائرہ اختیار و قوت وسیع ہوتا جائے گا، وہ اپنی اسی کوشش کو پھیلاتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا سے برائی کا نشان مٹ جائے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر بحث کی ہے۔ اس مسئولیت خاصہ اور اپنے اپنے حلقہ کی نگرانی کے علاوہ امت کے ہر فرد پر اس کے علم و استعداد اور استطاعت کے بقدر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ دین کو بقدرِ ضرورت جانے اور اس کا علم حاصل کرے اور اسے دوسرے تک پہنچاتا رہے۔

صحابہؓ کا تبلیغ کا شغف اور اپنے علم کو دوسرے تک پہنچانے کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آج ان کے واقعات

سن کر حیرت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت معاذؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کی عمومی اشاعت سے احتیاطاً منع فرما دیا تھا (کہ لوگ اس کا مطلب غلط سمجھ کر عمل سے غافل نہ ہو جائیں) ”**ما من عبدٍ یشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ الا حرمہ اللّٰہ علی النار**“ (کوئی بندہ نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں مگر یہ کہ اللہ اس کو آگ پر حرام کردے۔) حضرت معاذؓ نے موت کے وقت کتمانِ علم (علم کو چھپانے) کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کردی) (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶) اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت نے اسی مضمون کی حدیث کی اشاعت نہیں کی تھی۔ مرض الموت میں روتے تھے کہ ایک حدیث کی اشاعت نہ ہوسکی۔ آخر مرنے سے پیشتر بیان کردی (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳) غرض متعلقین کی مسئولیت خصوصی تبلیغ ودعوت، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اشاعت علم کو ہر کہ ومہ (چھوٹے، بڑے) کے لئے لازم قرار دیا گیا اور امت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے تعلیم وتعلم، تبلیغ ودعوت، نصرت دین، ہجرت ونفر کے وہ احکام عطا فرمائے گئے جس پر اس امت اور اسلام کی سرسبزی وشادابی کا مدار ہے (علامہ حصاص رازی نے احکام القرآن باب فرض النفیر والجہاد میں ان مباحث پر قابلِ دید بحث کی ہے) جس کی نقل کی گنجائش یہاں نہیں) قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ان جملہ احکام واعمال کے جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں اشارۃً اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مکی زندگی میں عموماً صحابہ رضی اللہ عنہم انفرادی طور پر اپنے فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں مشغول تھے اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب وآلام کو سہہ رہے تھے۔ ہجرت کے بعد صحابہؓ انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے دین کے داعی وسپاہی، معلم ومتعلم راہِ ہدایت کے رہنما وراہی تھے۔ ایک طرف ان کی جماعتیں بے طلبوں میں دین کی طلب وشوق اور کفار میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر رہی تھیں تو دوسری طرف ان کے افراد ووفود دین سیکھنے اور سیکھ کر دوسروں کو سکھانے میں مشغول تھے۔ یہاں تک کہ بقول حافظ ابن حجر فتح مکہ کے بعد یہ حالت ہوگئی تھی: ”**ان مکۃ لما فتحت بادرت العرب باسلامھم فکان کل قبیلۃ ترسل کبراء ھا لیسلمو او یتعلمو او یرجعوا الیٰ قومھم فیدعوھم الیٰ الاسلام و یعلموھم**“ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۲۵)

(فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا۔ ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام لائیں اور علم حاصل کر کے لوٹیں اور پھر انہیں اسلام کی دعوت دیں اور دینی تعلیم سے روشناس کریں)

مسجد نبویؐ بلکہ مدینۃ النبیؐ مدینۃ العلم والارشاد بن چکا تھا۔ جس کا امی معلمِ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ شب و روز دین کی دعوت و اشاعت کی مجلسوں، علم و ذکر کے حلقوں اور دین کی اشاعت کی سرگرمیوں، بیرونی وفود کی آمد اور تبلیغی وفود کی رخصتی اور جہد و جہاد کے چرچوں میں مصروف تھا۔ غرض حضرت محمد ﷺ امتِ مبعوثہ کی تربیت میں ہمہ تن مصروف تھے اور امت ان ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے لئے ہمہ وقت تیار تھی۔ چنانچہ خیر الامم کے اس پہلے طبقہ (صحابہؓ) نے اپنے شخصی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اپنے فرائض ملی کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ زمانہ انگشت بدندان اور انسانیت آئینہ حیرت تھی۔ صحابہؓ کا یہ عالیشان اور بے نظیر کارنامہ پوری امت کے لئے نمونہ، دلیل اور روشنی کا مینار ہے۔

امت کے دو گروہ:

غرض پوری امت کو دینی ذمہ داریوں سے گرانبار کیا گیا۔ دعوت و تبلیغ کا مقصد و فکر اور پوری انسانیت کی اصلاح کا درد عطا فرمایا گیا اور من حیث الامۃ نبوت کی نیابت کی ذمہ داری کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔ تاہم اسلام ایک فطری اور عملی دین ہے وہ خوش کن نظریہ نہیں۔ اس وجہ سے تقسیم کار کے اصول کے پیش نظر امت میں سے ایک جماعت کو خالص اور کلیۃً اسی کام کے لئے چن لیا گیا۔ جس کا کام اور مقصد اور مشغلہ زندگی ہی تعلیم و تعلم، دعوت الی الخیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوگا۔ وہ دیگر مشاغل دنیوی میں مصروف نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کی زندگی نیابتِ نبوت اور پیمبرانہ وظائف کی تبعاً بجا آوری کے لئے وقف ہوگی۔ وہ دین کے علوم میں مہارت تامہ، تفقہ اور بصیرت حاصل کرنے میں پوری محنت و مشقت و کوشش کریں گے اور حصول علم کے بعد اس علم کو عام کرنے اور دعوتِ حق میں ہمہ تن و ہمہ وقت لوجہ اللہ مصروف رہیں گے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیتوں کا منشاء و مقصود ہے۔

(دیکھئے بیضاوی ج ۳ ص ۳۰۰، ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲، بحر المحیط ج ۳ ص ۲۰۰، وتفسیر کبیر ج ۴ ص ۷۶۶)

۱) علماء اور داعیان حق کا طبقہ:

" ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکرو اولٰئک هم المفلحون " (آل عمران۔۱۰۴)

ترجمہ: اور ہو تم میں ایک ایسی جماعت جو خیر ہی کی طرف بلاتی رہا کرے، نیکی کا حکم کرتی رہے اور برائی سے روکتی ہے۔ یہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

" وما کان المؤمنون لینفرو کافة فلو لا نفر من کل فرقة منهم طآئفة لیتفقهو فی الدین و لینذروا قومهم اذا ارجعو ا الیهم لعلهم یحذرون " (التوبہ۔۱۲۲)

ترجمہ: اور مومنوں کو نہ چاہیئے کہ سب کے سب (تحصیل علم یا جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں۔ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تا کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ ڈر سنا دیں اپنی قوم کو جب ان کے پاس آویں تا کہ وہ قوم (منہیات الٰہی اور جہل سے بچے اور احتیاط رکھے)۔

پچھلی آیت کے ذیل میں امام رازی لکھتے ہیں " دلت الایة علیٰ انه یجب ان یکون المقصود من التفقه والتعلم دعوة الخلق الی الحق وارشادهم الیٰ الدین القویم و صراط المستقیم لان الایة تدل علیٰ انه تعالیٰ امر هم بالتفقه فی الدین لا جل انهم اذارجعو الیٰ قومهم انذروهم بالدین الحق واولئک یحذرون الجهل والمعصیة و یرغبون فی قبول الدین فکل من تفقه و تعلم لهذا الغرض کان علیٰ النهج القویم والصراط المستقیم " (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۲۱)

ترجمہ: آیت وجوب پر اس طرح دلالت کرتی ہے کہ تفقہ اور تعلم سے مقصود مخلوق کو حق کی طرف بلانا ہو اور ان کی دین قویم اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرنی ہو کہ آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں دین حق سے چوکنا کریں اور وہ قوم جہل اور معصیت سے اس ڈرانے سے بچ جائے اور اس میں دین کے قبول کرنے کی رغبت پیدا ہو جائے۔ پس جس شخص نے اس غرض سے تفقہ اور علم حاصل کیا وہ صحیح راہ اور سیدھے راستے پر ہے۔

قاضی بیضادی نے بھی اس مفہوم کوادا کیا ہے(بیضاوی ج ۲ ص ۳۰۰) یہ طبقہ علماء امت، داعیانِ حق اور مجاہدین فی اللہ کا ہے۔ جو اصلاً انبیاء کے وارث ہیں۔'' **العلماء ورثہ الا نبیآء** '' حدیث صحیح ہے علامہ ابن قیم نے الوبل الصیب میں لکھا ہے علماء کا وہی طبقہ رسولوں کا حقیقی وارث اور انبیاء کا خلیفہ ہے جو دین کو علماً و عملاً سنبھالنے والا اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف دعوت دینے والا ہے(الوبل الصیب ص ۷۶) ظاہر ہے، خاصانِ خدا کا یہ گروہ اپنی دینی خدمات و سرگرمیوں کی وجہ سے طلب معاش کے دھندوں میں سرگردان نہیں ہوسکتا۔ وہ انبیاء و اصحاب صفہ کی سنت کے مطابق توکلاً علیٰ اللہ بغیر کسی اشراف وسوال کے حسبۃ اللہ خدماتِ دینی میں مصروف رہیگا اور حقیقتاً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے رزق کا سامان بہم پہنچائے گا۔ اور عالم اسباب میں ملت کے دگر افراد کے ذمہ، ان کی معاشی ضروریات کی بہم رسائی ہوگی۔ اصحاب صفہؓ کے متعلق آتا ہے۔'' **للفقرأء الذین احصرو ا فی سبیل اللّٰہ لا یستطیعون ضربا فی الا رض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیمٰھم لا یسئَلون الناس الحافا** '' (البقرہ۔۲۷۳)

ترجمہ: خیرات ان حاجت مندوں کا حق ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں، (اور اسی خدمتِ دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلبِ معاش کے لئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے اُن کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم اُن لوگوں کو اُن کی ہیئت سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرے اور بدن میں اضمحال ضرور آجاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے)۔ (معارف القرآن)

مفسرین نے '' **لایستطیعون ضربا فی الارض** '' کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ یہ اصحاب صفّہ کا گروہ ہے جو قران کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہتا تھا اور ہر جہاد وسریہ میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلا کرتا تھا۔(**یخرجون فی کل سریۃ یبعثھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم**) تجارت ،طلب معاش اور کسب کے لئے فارغ نہیں ہوسکتا تھا'' **لایتفرغون للتجارۃ و طلب المعاش والکسب** '' (تفسیر خازن ومعالم التنزیل ج ۱ ص ۲۴۸) یعنی

"سفرًا للتسبب فی طلب المعاش" (ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۴) علامہ ابن قیم نے احصروا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "اصل الحصر المنع :. فمنعوا انفسهم من تصرفها فی اشغال الدنیا و حصر و ها علیٰ بذلها اللّٰه و فی سبیله" (التفسیر القیم ص ۱۷۱) یعنی الحصر کا اصل معنی روکنا ہے یعنی ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو دنیاوی اشتغال میں مصروف کرنے سے روک دیا ہے اور اسے صرف اللہ اور اس کے راستے (یعنی خدمات) دینی میں صرف کرنے کے لئے خالص کرلیا ہے ۔مراد یہ کہ علماء کا طبقہ ہر دنیاوی شغل سے بے نیاز ہوکر ہمہ وقت تعلیم و تعلم، دعوت وارشاد، نفر د تبلیغ اور دیگر خدامت دینی میں مصروف رہے تا کہ پوری امت کی طرف سے دینی ذمہ داری اور اس کے فریضہ منصبی کی ادائیگی کا حق پورا ہوتا رہے۔ گویا عام اصطلاح میں فراغت کے ساتھ علم و دعوت کے لئے وقف ہو جانا فرض کفایہ ہے۔ جو اگر امت کا ایک طبقہ اس طرح ادا کرتا رہے کہ ضروریات دینی کا حق ادا ہوتا رہے تو باقی امت ذمہ داری اور گناہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے ورنہ سب گناہگار ہوتے ہیں۔ بہر حال علماء اور داعین حق کا یہ گروہ اسلامی نظام دعوت و ہدایت کا مرکزی نکتہ ومحور ہے۔ یا یوں کہیئے کہ امت کا دل و دماغ ہے جو پوری امت کی شریانوں میں ہدایت کا خون پہنچاتا ہے اور اسے علوم دینیہ سے بہرہ اندوز کرتا رہتا ہے۔ امت کے عالمی تقاضوں کے بقدر اس گروہ کا وجود ضروری ہے۔ بقول شخصے "کرڑوں کو سنبھالنے کے لئے لاکھوں تو ہوں تا کہ امت اجابت کی داخلی تربیت و اصلاح تزکیہ تعلیم کا کما حقہ بندوبست ہو سکے اور امتِ دعوت میں تبلیغ اور اشاعتِ دین کی جملہ ممکنہ صورتیں بروئے کار آسکیں۔ یہاں یہ بات واضح کردینی ضروری ہے کہ اسلام میں علماء کا طبقہ کوئی موروثی ونسلی گروہ نہیں بلکہ امت کا ہر فرد اپنی محنت وقربانی سے یہ مقام حاصل کرسکتا ہے۔

۲۔ عامۃ المسلمین کا طبقہ:

خواص کے اس طبقہ کے علاوہ دوسرا طبقہ عامۃ المسلمین کا ہے جو اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے کلیتاً دین کے لئے فارغ نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ امت کی انتہائی اکثریت اس طبقہ میں ہوگی جن کا اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہنا معاشی ورفاہی تقاضوں کی بنا پر ضروری ہوگا۔ لیکن اسلام میں نری دنیاداری کا کوئی تصور نہیں۔ اس بنا پر اس طبقہ پر بھی فرض ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی

اصلاح سے ایک لمحہ غافل نہ ہو۔ذاتی وشخصی، دینی ومعاشی تقاضوں کا ضروری علم واحکام اور طریقہ سنت کو سیکھتا اور معلوم کرتا رہے کہ

”طلب العلم فریضہ علیٰ کل مسلمٍ“ (کنزالعمال ج ۵ ص ۲۳۰)

ترجمہ:(ضروری)علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے)

اپنے علم پر عمل کرے اور اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے کثرت سے اپنے علم کے بقدر دین کی دعوت وتبلیغ میں مشغول رہے۔اس بارے میں نصوص کثرت سے وارد ہیں،نمونۃً کچھ اوپر گزر چکی ہیں۔اسی طرح اپنی مسئولیتِ خاصہ اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال،تابعین، ماتحتوں کو منکرات سے روکے اور نیکیوں کی ہدایت کرے۔ان کی دینی واخلاقی اصلاح کی فکر وکوشش اوران کے معاملات ومعاشرت کی درستگی کے لئے اپنا اثر ورسوخ، اقتدار واختیار پوری ہمت وقوت سے استعمال میں لائے تاکہ اس کے دائرہ اثر میں نیکیاں پھلیں اور برائیوں کا انسداد ہو۔مزید برآں،اللہ تعالیٰ کی رضا، انبیاء علیھم السلام کی اتباع اپنے منصب ملی کی ادائیگی اور اپنی اصلاح کی نیت سے قریب و بعید جیسے بھی حالات وظروف اجازت دیتے ہوں وفود کی شکل میں یا انفرادی طور پر منہاج نبوت کے مطابق دعوت کے لئے ”خروج ونفر،نصرت دینی“ عرض کی پیمبرانہ سنت کو پورا کرتا رہے کہ صحابہؓ انفرادی اور وفود کی شکل میں تبلیغ دین اور فروغ ہدایت کے لئے نزدیک ودور باقاعدہ اور ہمیشہ نکلتے رہے ہیں۔جیسا کہ اہلِ علم سے مخفی نہیں،لیکن اس کے آداب وشرائط ہیں جو اہل علم اور داعیان حق سے علماً وعملاً معلوم ہوسکتے ہیں۔دین کے علم اور دعوت کے اصول ومبادی تعلیم یا صحبت کے ذریعے سیکھے بغیر ہر دینی کوشش لغزش پا کا سبب بن سکتی ہے۔اس لئے ایسی کسی تحریک وکوشش سے پیشتر ایک مرتبہ چار، چھ مہینہ تبلیغ ودعوت کے تجربہ کاروں اور خواص کے ساتھ گزار کر ان کی صحبت میں دعوت کی علماً وعملاً مشق کر لینی بہت ضروری ہے تاکہ آئندہ اپنے علم وفہم کے مطابق صحیح رخ سے دین کی اپنی استعداد کے بقدر خدمت انجام دے سکے۔عامۃ الناس کا یہ طبقہ دینی فرائض واعمال،ملی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بَری اور فارغ نہیں قرار دیا جاسکتا۔پہلا طبقہ اصل ہے اور یہ طبقہ اس کے جوارح واعضاء کی حیثیت سے اپنی استعداد کے بقدر ان کی رہنمائی میں شخصی اصلاح اور دینی خدمات،امر بالمعروف نہی عن المنکر،دعوت الی اللہ کے فرائض اپنی بساط کے

مطابق انجام دیتا رہے گا۔ جیسا کہ صحابہ کرام ؓ کا معمول تھا۔ پہلا طبقہ کلیۃً خدمتِ دین کے لئے فارغ ہوگا اور یہ طبقہ اپنی معاشی اور کاروباری مصروفیات میں احکامِ شریعت کے مطابق مصروف رہتے ہوئے اپنے اپنے دائرہ میں اپنے علم و استعداد اور صلاحیت کے بقدر دعوت و اقامت و نصرت دین کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہے گا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان دونوں طبقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "ولتکن منکم امة" کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

" یقول اللّٰہ تعالیٰ ولتکن منکم امة منتصبة للقیام با مراللّٰہ تعالیٰ فی الدعوة الی الخیر و الامر بالمعروف و النھی عن المنکر و اولئک ھم المفلحون ، قال الضحاک ھم خاصة الصحابة و خاصة الرواة یعنی المجاھدین والعلماء والمقصود من ھذالایة ان تکون فرقة من ھذه الامة متصدیة لھذا الشان وان کان ذلک واجبًا علیٰ کل فرد فرد من الامة بحسبه " (تفسیر بن کثیر ج ۱ ص ۳۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کہتا ہے، تم میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن منکر کے حکم کی اقامت کے لئے بالکلیہ کھڑے ہونے والا ہو اور وہی فلاح پانے والا گروہ ہوگا۔ ضحاک کا قول ہے یہ خاص صحابہ اور خاص راویوں یعنی مجاہدین و علماء کا گروہ ہے اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اس امت کا ایک طبقہ بس اسی کام کا ہو رہے گو کہ یہ فرائض امت کے ہر ہر فرد پر اس کی استعداد کے بقدر فرض ہیں۔

دونوں طبقات کی دینی ذمہ داریاں:

غرض علماء امت پر اصلاً اور عامۃ المسلمین پر تبعاً علم دین کا حصول، اس پر عمل اور اس کی دعوت اپنے اپنے مقام اور علم کے مطابق لازم ہے۔ ہم نے امت کے ان دو طبقات کے متعلق جو عرض کیا۔ امام غزالیؒ کی ایک تحریر سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی:۔

" اعلم ان کل قاعد فی بیته اینما کان فلیس خالیا فی ھذا الزمان عن منکر من حیث التفاعد عن ارشاد الناس و تعلیمھم و حمل علی المعروف فا کثرالناس جاھلون بالشرع فی شروط الصلوٰة فی البلاد فکیف فی القریٰ والبوا دی ومنھم الا

عراب والا کراد و الترکمانیة و سائر اصناف الخلق و واجب ان یکون فی کل مسجد و محلة من البلد فقیه یعلم الناس دینهم و کذا فی کل قریة وواجب علی کل فقیه فرغ من فرض عینه و تفرغ لفرض الکفایة ان یخرج الیٰ من یجاور بلده من اهل السواد ویعلمهم دینهم و فرائض شرعهم . امام العالم فلتقصیره فی الخروج واما الجاهل فلتقصیره فی ترک التعلم و کل عامی عرف شروط الصلوٰة فعلیه ان یعرف غیره والّا فهو شریک فی الاثم ومعلوم ان الانسان لا یولد عالم عالمًا بالشرع وانما التبلیغ علیٰ اهل العلم فکل من تعلم مسئلة واحدة فهو من اهل العلم بها . ولعمری الاثم علی الفقهآء اشد لان قدر هم فیه اظهر و هو بضاعتهم الیق لان المتحرفین لوترکوا حرفتهم لبطلت المعاش فهم قد تقلدو وامرالابد منه فی صلاح الخلق ، وشان الفقیه و حرفته تبلیغ ما بلغه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و فان العلماء هم ورثة الانبیاء ..ولا یسقط الخرج ما دام یبقی علیٰ درجه الارض جاهل بفرض من فروض دینه وهو قادر علیٰ ان یسعی الیه بنفسه او لغیره فیعلمه فرضه .... ولا یتقدم علیٰ هذا الافرض عین او فرض کفایة هو اهم منه ‘‘

(احیاءالعلوم الدین ج ۲ ص ۳۳۶،۳۳۷)

ترجمہ: یہ بات سمجھ لو کہ اس زمانے میں جو شخص جہاں بھی گھر میں بیٹھا ہوا ہے لوگوں کو ارشاد و تعلم اور نیکی پر آمادہ کرنے سے قاصر رہنے کی بنا پر گناہ گار ہے۔ حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ شہروں تک میں نماز کی شرعی شرائط سے جاہل ہیں ۔ پس اسی سے اندازہ لگایئے کہ دیہات اور صحراؤں اور بدوی ، کرد، ترکمان اور دیگر انسانی طبقات کا کیا حال ہوگا۔ شہر کی ہر مسجد و محلّہ میں ایک فقیہہ (یا عالم) کا ہونا واجب ہے جو لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا رہے۔ اسی طرح ہر گاؤں میں بھی ایک عالم کا ہونا واجب ہے اور جو عالم بھی اپنے فرض عین سے فارغ اور فرضِ کفایہ کے لئے فرصت رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ اپنے شہر کے آس پاس کے بستیوں میں جا جا کر لوگوں کو دین کی باتوں اور شریعت کے فرائض کی تعلیم دیتا رہے۔ اس بارے میں عالم کا قصور (ارشاد و تعلیم) کے لئے نہ نکلنا ہے اور عامی کا قصور علم نہ حاصل کرنا ہے اور ہر وہ عامی جو نماز

کی شرائط کو جانتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کو بتائے ورنہ وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان شریعت کا عالم پیدا نہیں ہوتا ہے اور تبلیغ اہل علم پر واجب ہے اور جس شخص نے ایک مسئلہ بھی سیکھا ہے وہ اس مسئلہ کا عالم ہے اور فقہاء (علماء) عدم تبلیغ پر بہت زیادہ گناہگار ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کام کی زیادہ قدرت رکھتے اور اسے بہت اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔ دوسرے کاروباری لوگ اگر بالکلیہ اپنے کاموں کو چھوڑ کر اس میں لگ جائیں تو معاشی ابتری پھیل جائے جو انہوں نے اپنی ذمہ لی ہے اور وہ مخلوق کی معاشی درستی کے لئے ناگزیر ہے (اس کے برعکس) عالم یا فقیہ کی تو خاص شان اور پیشہ ہی یہی ہے کہ جو کچھ اسے رسول اللہ ﷺ سے پہنچا ہے اسے دوسروں تک پہنچاتا رہے کہ (یہی وہ کام ہے) جس کی وجہ سے علماء انبیاء کے وارث ہیں اور جب تک روئے زمین پر ایک انسان بھی کسی ایک دینی فرض سے جاہل رہے گا اور عالم کو قدرت ہوگی کہ خود جا کر یا دوسروں کے ذریعہ اس کو بتلائے تب تک وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ قرار پائیگا۔ اس کام کی ذمہ داری سے تب ہی سبکدوشی ہوسکتی ہے جب اس کام سے بڑھ کر کسی فرض عین یا اہم واقدم فرض کفایہ میں مشغول ہو۔

موجودہ دور میں ہر دو طبقات کیا کر سکتے ہیں؟

آج بھی ان دونوں طبقات کی ہمت و جرأت اور محنت و کوشش دین کی نشأۃ ثانیہ کا سبب بن سکتی ہے۔

ا۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت عالمِ اسلام میں علماء و مشائخ کی اتنی تعداد موجود ہے کہ اگر وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہونے کے لحاظ سے صرف طالبین ہی کو علم و مسائل سے آگاہ نہ کریں بلکہ بے طلبوں، ناواقفوں اور بے دین طبقہ میں بھی طرزِ نبوت کے مطابق دعوت و تبلیغ کے فرائض ترتیب و تنظیم، حکمت و شفقت، درد و فکر سے انجام دیں تو پورے عالم میں روحانی انقلاب کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے بے مزد وحسبةً **لا اسئلکم علیه اجرًا ان اجری الا علی اللّٰه** (بغیر مزدوری کے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے) کے اجماعی نبوی جذبہ کے ساتھ دین کے داعیانہ جذبہ کی ضرورت ہوگی۔ بحمد اللہ آج معلمانہ اور مشیخیت کا رخ تو باقی ہے لیکن داعیانہ اور مبلغانہ عزم و ہمت شاذ ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے مدارس اور خانقاہیں طلباء میں تعلیم و تربیت کے ساتھ دعوتی داعیہ کے احیاء کی بھی کوشش کریں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ علم

کا بڑا مقصد اپنے عمل کے علاوہ تبلیغ وارشاد بھی ہے اس کے لئے طلباء کی ذہنی تربیت اور انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور داعیانِ حق کے دعوتی کارناموں اور مبلغانہ زندگی کا بغور مطالعہ ضروری ہوگا۔ مزید برآں انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت وطرز تبلیغ وارشاد کا علم وعمل لازم ہوگا ضرورت ہے کہ شروع ہی سے طلبہ میں جہد و مشقت اور دعوت کے عملی پہلو کو زندہ کیا جائے ۔ اس سلسلہ میں انفرادی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے اور دور نبویؐ اور عصر صحابہؓ کی طرح جماعتیں بنابنا کر گردونواح میں دعوت وتبلیغ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں بھیجی جائیں کہ نبوی دعوت وتبلیغ کا ایک اہم اصول وغرض نفر (باہر نکلنا) تھا۔ بے طلبوں اور ناواقفوں میں جب یہ طبقہ دین کی بات پہنچائے گا تو اس کے یقیناً دو فائدے مرتب ہوں گے۔ایک تو ان کی اپنی دعوتی مشق ہوگی وہ عوام کے مسائل ان کی دینی تقاضوں سے واقف اور تبلیغ کے عملی پہلو سے آگاہ ہوں گے۔دوسری طرف عامۃ الناس میں دینی شعور بیدار ہوگا۔علماء و طلبہ سے ان کا رابطہ قائم ہوگا اور اسلامی تقاضوں سے آشنا ہوکر دینی زندگی کے گزارنے والے بنیں گے۔ غالباً یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کا طرز دعوت یہی ارشاد ووعظ کا طریقہ اور بے طلبوں میں جاکر دین کی بات پہنچانا تھا۔اس سنت کی ادائیگی سے نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہدایت سے ہمکنار ہوجائیں گے۔ یہ بات ضروری ہے کہ عمومی دعوت میں مختلف فیہ اور نزاعی مسائل کو نہ چھیڑا جائے بلکہ متفق علیہ باتوں اور بنیادی امور پر اکتفا کی جائے ۔اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہ دیا جائے۔انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت کا تتبع واتباع ہر قدم پر ضروری ہے۔

۲۔ عامۃ الناس کے پڑھے لکھے اور ان پڑھ طبقہ کو دین سے آشنا کرنے کے لئے ایک اہم تقاضا مسجد کے مرکزی وتربیتی نظام کا احیاء ہے ۔عصر سعادت میں مسجد ہی ہمارا اجتماعی دینی مرکز تھا۔ جہاں علم وذکر کے حلقے ، دعوت وتبلیغ کی مجالس ،عبادت وعبودیت کی فضائیں امت کی ذہنی وفکری، علمی وعملی تربیت کی کفیل ہوتی تھیں ۔ ہر مسجد بیک وقت مدرسہ بھی تھی ، خانقاہ بھی تھی ، دارالتربیۃ بھی تھی ، دارالدعوۃ بھی تھی ، ضرورت ہے کہ مسجدوں میں ہمارا اہل فکر طبقہ تعلیم وتدریس ، دعوت وتبلیغ کا نظم کرے جو جاننے والے ہیں ، وہ ناواقفوں کو سکھائیں ۔ جو ناواقف ہیں وہ علم والوں سے استفادہ کریں ۔ جو مسجد میں نہیں آتے انہیں ترغیب وتشویق سے مساجد میں لایا جائے ۔ دین کی اہمیت عبادات کا وزن ، اعمال کی قیمت ، اخلاق کی

پاکیزگی، معاملات کی صفائی معاشرت کی درستگی بتائی جائے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی تقاضوں، دعوت وتبلیغ اور امت کے فریضۂ منصبی کی ادائیگی کے لئے ایثار وقربانی معاشرہ کی اصلاح اور امت کی فلاح کے لئے متفکر کیا جائے۔ ہر مسجد اپنے محلہ اور پھر قرب ونواح کے علاقے میں دعوت وتبلیغ وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہی ہو۔غرض مسلمان بننے اور بنانے کے جوشرعی حکیمانہ ومعقول طریقے ہوں۔ان کے سمجھنے سمجھانے اور عام کرنے اور اسے وظیفہ زندگی بنانے کے لئے پوری سعی کی جائے تاکہ امت پھر سے اپنے کو پہچانے اور حضرت محمد ﷺ کے اعمال ودعوت کو اپنا کر حیات تازہ سے سرفراز ہو۔کیا قیامت ہے کہ وہ داعی امت جو اس قدر عظیم ذمہ داریوں سے گرانبار ہے، اپنے مقصد کو بھلا کر، اپنے فرائض منصبی ووظائف ملی سے غافل ہو کر دنیا کے سفلی تقاضوں میں ایسی الجھی کہ داعی کے بجائے مدعو اور امام ومتبوع سے تابع اور مقتدی بن کر رہ گئی۔

ے رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب:

موجودہ دور میں ملتِ اسلامیہ پورے عالم میں جس دینی انحطاط واضمحلال کا شکار ہے اس کی مثال پوری تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی

ے متاع دین ودانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافرادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

امت جب زندہ تھی اور اپنے فرائض منصبی دعوت الیٰ اللہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ہدایت رسانی خلق کی ادائیگی میں مصروف ومشغول تھی۔ دگر اقوام وملل، اسلام کی حقانیت اور داعیانِ حق کے اخلاق واعمال سے متاثر ہو کر جوق در جوق اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں اور ”یدخلون فی دین الله افواجا“ کا منظر پیش کرتی تھیں۔ان کا تازہ خون امت کی رگوں میں دوڑتا تھا اور یہ لافانی اور جاودانی امت حیات تازہ پاتی تھی۔ بارہا سیاسی فاتحین کو امت کے داعیانہ مزاج اور تبلیغی جہد وہمت اور روحانی تصرفات ومزایا نے مفتوح اور دین کا خادم بنا دیا جس کی سب سے نمایاں اور مشہور مثال تاتاری

ومنگول ہیں۔ جو دولِ اسلامیہ اور خلافتِ عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے کچھ عرصہ بعد اسلام کے دعیانہ اثر سے مسلمان ہوتے ہیں۔ اور ترکانِ عثمانی اور ترکانِ تیموری کے نام سے پانچ سو سال تک اسلام اور مسلمانوں کا پرچم بلند رکھتے ہیں۔

جب سے امت کا دعوتی اور ملی شیرازہ بکھرا اور امت اپنے منصب اور اس سے پیدا شدہ تقاضوں اور مسائل کو بھلا بیٹھی اور اپنے آپ کو دنیا کی عام اقوام کی طرح ایک قوم سمجھنے لگی اس کے شاہوں اور حکمرانوں نے تاج دباج وخراج کو مقصود گردانا، علماء ومشائخ نے عزلت نشیبی اور مخصوص حلقوں میں تعلیم اور طالبین کی اصلاح پر اکتفا کر لی۔ عام امت نے غفلت وقعود کو شعار بنا لیا۔ امت بانجھ ہوگئی اقوام کا داخلہ اسلام میں من حیث الجماعۃ بند ہو گیا بلکہ پوری امت پر مردنی چھا گئی۔ مسلمان یقینی عقائد میں تزلزل اور کردار واعمال کی خرابی کا شکار ہو گئے۔ کہ امت کا نفسِ ناطقہ، اس کا ایمانی شعور، اس کا دینی ذمہ داری کا احساس اور اس کا داعیانہ حاسہ تھا۔ جس کی پژمردگی نے اس باغ کو مرجھا کر رکھدیا

ے آہ! سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش
او سرافیل است و صور او خموش

ترجمہ: آہ! اس کا سینہ سوز سے خالی اور جان جوش سے عاری ہے۔ یہ اسرافیل ہے لیکن اس کی صور اور بانسری خاموش ہے۔

امت کی اس غفلت وکوتاہی اور فرض ناشناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا عالم اسلامی قیادت وامامت، الٰہی رہنمائی اور نبوی تعلیمات سے محروم ہو گیا اور انسان کی عقلی، ذہنی، روحانی ومادی قیادت، خدانا آشنا، آخرت فراموش، روح ناشناس، بے یقین، مردہ دل، دنیا طلب، مادہ پرست مغربی اقوام کے ہاتھ میں آ گئی۔

ع ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

اور پورا عالم دینی ہدایات وبرکات کے نور واثرات سے خالی اور مادیت اور خدا فراموشی کی ظلمت سے شب تاریک بن کر رہ گیا۔

امت کا سب سے اہم واقدم مسئلہ:

اس وقت امت کے لئے سب سے اقدم واہم مسئلہ اس کے دینی شعور، داعیانہ مزاج، تبلیغی حاسہ، ایمانی حمیت وغیرت، اسلامی فکر اور مغیبات حقہ پر یقین کے احیاء کا ہے تا کہ پھر سے مسلمانوں میں امت مبعوثہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی اور مفوضہ وظائف کی ادائیگی کا داعیہ وتقاضا زندہ و بیدار ہو جائے اور صحابہ کی طرح امت ایمان و یقین، اعمالِ صالحہ واخلاقِ فاضلہ سے مزین ہو کر نیابت نبوتؐ اور ہدایت رسانی خلق کی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اگر امت دعوت الی الخیر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے تو اس کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور وہ اپنی امتیازی حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ کا ارشاد اس بارے میں قول فیصل ہے۔ آپ نے چند ''دعاۃ'' (دین کی دعوت دینے والے) کو حج کے موقع پر دیکھا۔ آپ نے آیت '' **کنتم خیر امة اخرجت للناس** '' پڑھی اور ارشاد فرمایا '' **من سره ان ایکون من هذه الامة فلیؤد شرط اللّٰه فیها** '' (ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۶) یعنی جو شخص پسند کرتا کہ اس خیر الامم میں سے ہو تو اسے اس کی شرائط کو پورا کرنا چاہیئے۔ یعنی اسے امر بالمعروف نہی عن المنکر وایمان باللہ کی صفات سے متصف ہونا چاہیئے۔ غور کیجئے جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تک کو کہا جاتا ہے '' **یایها الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته** '' (المائدہ۔۶۷) ترجمہ:۔ اے رسول ﷺ پہنچا دے، جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچا دیا۔ اس کا پیغام (رسالت) گویا تبلیغ ورسالت کو مرادف قرار دیا۔ اگر امتِ محمد یہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی تو یقیناً اس غفلت پر اپنی خاص حیثیت کھو دے گی اور نصرت الٰہی، سرفرازی و فلاح کے ان وعدوں سے محروم ہو جائے گی جو اس منصب کی وجہ سے اس کے ساتھ کئے گئے تھے۔

آج امت کے نظریہ اساسی میں جو عموماً بگاڑ آ گیا ہے اور اپنے مقصد حیات کو بھول چکی ہے۔ اس کی احیاء کے لئے پھر سے امت کو نبی پاک ﷺ کے طریقۂ دعوت وتربیت اور نظام صلاح واصلاح کو اپنانا ہوگا۔ جس کے کچھ اجمالی اشارے گزر چکے، کہ مزاج وطریقۂ نبوت قوام ملت ہے، کتاب اللہ نہ صرف کتاب ہدایت ہے بلکہ صحیفہ نظام ہدایت اور طریقۂ دعوت بھی ہے۔ قرآن نہ صرف دعوت ہے بلکہ

طرزِ دعوت بھی سکھاتا ہے۔اسی طرح اسوۂ نبویہ ﷺ نہ صرف امت کے لئے نمونۂ ہدایت ہے بلکہ آپ کا طرزِ دعوت وتربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل واکمل، احسن واعلیٰ اورموثر ترین طریقہ ہے۔امت آج جس بے یقینی، غفلت، غلط روی اور بے عملی بلکہ بد عملی کا شکار ہوچکی ہے۔اس کا علاج اپنی اصلاح کے ساتھ دعوت وتبلیغ، احیاءِ دین کے لئے جہد وجہاد، محنت وکشش، ایثار وقربانی کے وہی عزائم و اعمال ہیں جن کا نقش حضور پاک ﷺ اور آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام ؓ نے ابتدائی اسلام میں عالم پر مرتسم کیا ہے

ے وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

امت اگر زندگی چاہتی ہے تو اسے پھر سے اسی داعیانہ جذبہ کو ہر قربانی کے باوجود زندہ کرنا ہوگا۔حالاتِ حاضرہ پر قناعت موت ہے۔

ے تا کجا بے غیرت دیں زیستن
اے مسلمان مردن است ایں زیستن

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم — تا کجا درحجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن — نکتۂ شرحِ مبیں را فاش کن

ترجمہ: کب تک دین کی غیرت کے بغیر جینا ہے؟ اے مسلمان! ایسا جینا تو مرنا ہے۔اے وہ شخص! کہ قرآنِ عظیم پر فخر کرتا ہے کب تک کمرے میں بیٹھا رہے گا؟ دنیا میں دین کے راز کو کھول اور دینِ مبین کی تشریح کے نکتے کو فاش کر۔

امت کا سوادِ اعظم، جہالت، غفلت، دینی تعلیم سے محرومی، نئی تعلیم یا دیگر عوامل کی بنا پر دین سے بیگانہ ہوتا جارہا ہے اور جس طرح امت اپنی معاشرت وتمدن تہذیب وتمدن وشعائر سے دور ہوتی جارہی ہے اور جس طرح اسلامی اخلاق ومعاملات مٹ رہے ہیں، عبادات تک میں بے اعتنائی عام ہوچکی ہے، امہات عقائد تک میں تزلزل آگیا ہے اور جس طرح دنیا طلبی، دین سے بے رغبتی، الحاد ودہریت، غفلت وبدعملی امت پر اپنا سایہ ڈالتی چلی جاتی ہے، اگر امت نے کمال چابک دستی، سبک رفتاری، بلندی ہمتی،

عزم راسخ سے اپنی جملہ استعدادوں، توانائیوں، ظاہری وباطنی مادی اور روحانی قوتوں کو حفاظت دین اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت وتبلیغ، افراد امت کی شخصی واجتماعی اصلاح کی طرف مرکوز نہ کیا تو خاکم بدہن اندیشہ ہے کہ العیاذ باللہ اسلام کی نام لیوا موجودہ امت مٹا کر نہ رکھدی جائے اور یہ امانت دوسروں کے سپرد نہ کردی جائے۔ (اللھم احفظنا)

دوسرا اہم مسئلہ فتنہ مغرب کا مقابلہ:

عصرِ حاضر کا دوسرا سب سے اہم مسئلہ جس سے امت طوعاً وکرہاً دوچار ہے۔ فتنہ مغرب ہے جس کی ہلاکت آفرینیوں نے پوری امت کو انتہائی خطرناک آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔ (۱) آج مغرب کا سیاسی وذہنی اقتدار وسیادت (Leadership) پورے عالم پر محیط ہے مشکل یہ ہے کہ مغربی افکار وعقائد، علوم وفنون، تہذیب تمدن، سیاست ومعاشرت، اقتصادیات ومعاشیات، غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو اور اس سے متعلقہ علم کی بنیاد نری مادیت اور ظواہر پر ہے۔ یہاں تک کہ نام نہاد مغربی روحانی اور مابعد الطبیعاتی افکار وتصورات بھی مادی آلائشوں سے پاک نہیں، بلکہ انہیں کا ثمرہ ونتیجہ ہیں۔ روحانی اقدار اور غیبی قوئ سے انکار عصر حاضر کا خاصہ وامتیاز ہے۔

؎ عصر ماوارفتہ آب وگل است
اہل حق را مشکل اندر مشکل بہت

ترجمہ: ہمارا دور حد سے نکلا ہوا ہے جس کی وجہ سے اہلِ حق کو مشکل ہی مشکل در پیش ہیں۔

تاریخ انسانی نے اس سے پیشتر شاید ہی مادیت کا ایسا غلبہ واستیلاء وترقی جگمگاہٹ دیکھی ہو۔ اشتراکیت نے تو کھلے بندوں،" لاسلاطین " کی نفی کے ساتھ " لاکلیسا " و " لاالٰہ " کا منفی نعرہ بلند کرکے مغربی لادینی مزاج کا اظہار اور روحانی اقدار سے انکار کر ہی دیا ہے بقول اقبال :

؎ کردہ ام اندر مقاماتش نگہ — لاسلاطین، لاکلیسا، لاالٰہ

ترجمہ: میں نے اس مغربی نظام کے بارے میں غور کیا۔ یہ نظام تو نہ بادشاہ ہے، نہ کلیسا ہے، نہ خدا ہے کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔

لیکن جو اقوام مسیحیت کا دم بھرتی ہیں ان کی حالات دیکھ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف

منسوب یہ قول یاد آ جاتا ہے۔ ''یہ امت ہونٹوں سے تو میری تعظیم کرتی ہے لیکن ان کے دل مجھ سے دور ہیں اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔'' (انجیل مرقس۔۷۔۸)

مغرب کے اس مادی وملحدانہ مزاج کی بنا پر وہ تمام علوم وفنون جنہوں نے ان کے دل ودماغ سے فروغ پایا، اپنے اندر مادیت والحاد اور لادینیت کے اثرات کو سموئے ہوئے ہیں۔ وہ معاشی علوم وفنون جن کے بعض دنیاوی افادی پہلوؤں سے انکار نہیں، وہ بھی ان کریہہ اور مہلک اثرات سے نہیں بچ سکے اور '' **اثمهما اکبر من نفعهما** ''(ان کے نقصان ان کے فائدوں سے بڑے ہیں) کے مصداق ہیں۔

ے نکتہ ہائے گفت او آمیختہ — در جلابِ قند زہرِ ریختہ

ہاں مشو مغرور زاں گفتِ نیکو — زانکہ باشد صد بدی در زیر او (رومیؒ)

ترجمہ: اس کی کہی ہوئی باتوں میں ملاوٹ ہے، اس کے میٹھے جلاب میں زہر ڈلا ہوا ہے، اس کی اچھی باتوں سے دھوکہ نہ کھا کیونکہ ان کے نیچے سو برائیاں پڑی ہوئی ہیں۔

ظاہر ہے جو تہذیب وتمدن ان لادینی وملحدانہ نظریات پر استوار ہوگا اس کی رگ وپے میں بے دینی، آخرت فراموشی، خدا بیزاری سرایت کئے ہوئے ہوگی۔ نتیجۃً اس تہذیب وتمدن کا جس قدر فروغ ہوگا، لادینی افکار ونظریات پھلیں گے۔ ایمانی حقائق وبصائر سے اعراض، آخرت فراموشی اور '' **رضوا بالحیوٰة الدنیا واطمأنوا بها** ''(راضی ہو جاؤ دنیا کی زندگانی پر اور پالو اسی سے اطمینان) کی حالت کا چلن ہوگا۔ چنانچہ عالمگیر فتنۂ مغرب کی ہمہ گیری نے اس منظر کو ایک ناقابل انکار حقیقت بنا دیا ہے۔ اور امتِ مسلمہ کو ایک انتہائی نازک وتشویشناک حالت سے دوچار کر دیا ہے۔

فتنہ مغرب اور اسلام ومسلمان:

اسلام ہی وقت کا الٰہی وآسمانی دین ہے جس کے سپرد قیامت تک ہدایتِ خلق کا دائمی پیام وسامان ہے۔ اس بنا پر مغرب وجاہلیت حاضرہ کا معرکہ ومقابلہ اسلام ہی سے ہے کہ دوسرے آسمانی مذاہب وایمان اپنا وقت پورا کر چکے اور منسوخ ہو چکے۔ اس لئے ان سے اصلاً مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید برآں دیگر مذاہب تحریف وتغیر کے عادی ہیں لیکن اسلام جیسا لافانی اور جاودانی دین کسی قطع و

برید (کاٹ چھانٹ) کو برداشت نہیں کرسکتا۔اس سانحہ کا سب سے اندوہناک پہلو یہ ہے کہ امتِ مسلمہ خود ان جاہلی علوم ونظریات کی زد میں ہے۔اس وقت امتِ مرحومہ کا کوئی حصہ، خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو کفر والحاد، زندقہ ودہریت اور مادہ پرستی کی ان مسموم (زہریلی) ہواؤں سے محفوظ نہیں (عرب وشام عراق واُردن، ترکیہ وایران اور پاکستان وغیرہ مسلم ممالک اوران کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں) مسلم ممالک جس طرح مغربی افکارو معاشرت، تہذیب وتمدن کا شکار ہو رہے ہیں، اصحاب فکر ونظر سے پوشیدہ نہیں۔اشتراکی ممالک میں مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کا کچھ نظارہ یوگوسلاویہ میں دیکھا تھا۔کیا کہوں

ے دیدۂ دل سے خون بہہ نکلا ٹوٹے دیکھے ہیں چند پیمانے

غرض پورا عالمِ اسلام فتنۂ مغرب سے ایک عالمگیر وہمہ گیراور دورس نتائج کے حامل ابتلا (آزمائش) میں گرفتار ہے۔ **والیٰ اللہ المشتکی۔**

ے درعجم گردیدم وہم درعرب مصطفٰے نایاب وارزاں بولہب

ترجمہ: میں عجم میں بھی پھرا اور عرب میں بھی پھرا، مصطفٰی کو نایاب اور ابولہب کو ارزاں پایا۔

بقول حضرت سید الملۃ سلیمان الندوی قدسرّہٗ '' تعلیم جدید کی نئی آب وہوا نے تفرنج وفرنگی مآبی کا وہ زہر پھیلا دیا ہے جس سے دین، عقائد واعمال کی ہر چیز پر مردنی چھا گئی ہے۔اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ بھی ہے، شکوک وشبہات کی کثرت اور شدت نے اس پر عرصہ حیات تنگ کردیا ہے۔یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے۔ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں، ہماری خواتین کے سامنے انگلستان وفرانس کی عریانی ورنگینی وبے حجابی ہے، ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص، سرود اور ظاہری پوشاک ووضع وطرز ماندوبود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔علم وفن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت وگمراہی کے خیال کی عکاسی میں مصروف ہے اور سوائے تقلید ونقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوش ربائی اور باطل آرائی کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی

ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہو جاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے۔ اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی وملی غرض وغایت ہے۔

مسلمانوں کے ایک طبقے پر مغربی اثرات:

بڑی مشکل یہ ہے کہ مغربی مادی سطوت وشوکت، طبیعاتی دسترس، اس کے تہذیب وتمدن کی ظاہری رونق وچمک دمک نے امت کے کثیر تعلیم یافتہ، ذہین اور صاحبِ اقتدار طبقہ کو اس طرح مسحور اور ازخود رفتہ کردیا ہے کہ وہ مغرب ہی کو معیار حق وباطل سمجھنے لگا ہے اور خیر وشر، حسن وقبح، نیکی وبدی، جائز وناجائز کے الٰہی واسلامی احکام ونظریات سے بے پروا ہو کر یورپ کی تقلیدِ جامد میں مبتلا ہوتا جارہا ہے۔ یہ خودفراموشی اور مغرب زدگی امت کے وجود وبقا کے لئے تاریخ کا سب سے عظیم خطرہ بنی چلی جارہی ہے۔ موجودہ عصری علوم کی تابانی نے الٰہی علوم کی حقیقت ومنزلت گم کرکے رکھ دی ہے۔ آج ہمارے فکر وادراک کی جولانیوں، ہماری ذہنی وفکری کاوشوں اور قلبی اذعان وایقان کا سرمایہ واثاثہ بھی عصرِ نو کے علوم انسانیہ ہیں جنہیں ہم نے حقائق مطلقہ اور یقینیات کا درجہ دے دیا ہے اور ان پر ہمارا ایمان واعتماد اس طرح راسخ ہوچکا ہے کہ ہر علم وخبر جو ہمارے ان مفروضہ حقائق ویقینیات کے خلاف ہو ہم اس کے انکار کے درپے ہوجاتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے لادینی علوم کا مقابلہ:

اس لئے دینی محاذ پر سب سے پہلی ضرورت ان مفروضہ علمی حقائق ویقینیات کا تجزیہ ہے۔ بتایا جائے کہ ان علوم کا اکثر حصہ محض ظن وتخمین، قیاسات اور اوہام پر مبنی ہے اور علوم انسانی کا وہ حصہ جسے تاریخی تواتر اور متوارث تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر یقینیات کا درجہ دے دیا گیا ہے وہ بھی ہر آن تغیر وتبدل کا محل، اوچھا اور اشیاء کی اصل حقیقت جاننے سے قاصر ہے۔ (خواص اشیاء کا جاننا اور بات ہے اور حقیقت اشیاء کا جاننا اور) اس بنا پر ایمانی حقائق اور دینی مسلمات کا مدار ان ظنوں وقیاسات پر نہیں رکھا جاسکتا۔ ضرورت ہے کہ الٰہی علم کے محکم یقینی لامحدود اور پائیدار ہونے کو ثابت کیا جائے اور انسانی علوم پر اس کی فوقیت بتائی جائے۔ اور ان علوم کے اس حصہ کی تنقید وابطال کیا جائے جو الٰہی یقینی علوم سے ٹکراتے ہیں۔ اس سلسلہ میں

یہ بات واضح کردینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ انسان ظنی علوم کے صرف اسی حصہ کی نشاندہی اور رد ضروری ہے جو دینی حقائق سے ٹکراتا ہے۔ ورنہ جو حصہ دین سے نفیاً یا اثباتاً مخالف نہیں اس کے در پے ہونا سعی لاحاصل ہے۔ غرض ایک طرف انسانی علوم کے ارتقاء کی تاریخ، ان کا تجزیہ، ان کا ظنی ہونا اور الٰہیات کے بارے میں اس کی نارسائی اور بیچارگی اور انسانی مسائل کے حل کرنے میں اس کی ناکامی کو واضح کیا جائے۔ تو دوسری طرف الٰہی علوم کی حقیقت واہمیت، انسانوں کی رہنمائی کے لئے اس کی ضرورت، اس کا یقینی اور غیر متبدل ہونا اور انسانی مسائل کا صحیح ودائمی حل انہیں سے ثابت کیا جائے۔ الٰہیات کے بارے میں عصر نو کی بے بصری انسانی کمالات وجواہرِ اصلیہ کی ناشناسی اور اس کے ضیاع کی کوششوں کی نشاندہی کی جائے اور یہ بات واضح کردی جائے کہ صنعتِ اشیاء کا اپنا میدان ہے اور انسانی جواہرات کے چمکنے کا دوسرا محل ہے۔ آج مادہ واشیاء بن رہی ہیں اور انسان، انسان کی حیثیت سے مٹتا چلا جارہا ہے۔ انسان کائنات کے ظواہر کی تسخیر میں کسی مقام پر پہنچ جائے، اس کا علم الٰہیات کے حقائق اور سچائیوں کے جاننے سے قاصر رہے گا کہ یہ علوم وحقائق حریمِ نبوت کے دائرے وحدود سے باہر کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ جیسے بصارت سے محروم شخص کسی چیز کی رویت سے محروم رہتا ہے، اسی طرح نبوی بصیرت ہی پر الٰہیات کا باب کھولا جاتا ہے اور پھر دنیا میں جسے ملتا ہے انہیں کے واسطے سے ملتا ہے۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ موجودہ علوم وفنون کی تابانی کی بنا پر نبوی علوم کا انکار، الٰہی حقائق کا ابطال، عقائد دینیہ کا رد، ناواقفیت، جہالت، تقیح ناشناسی اور خود اس علم کا بے محل استعمال ناانصافی اور ظلم وزیادتی ہے۔ ان علوم کا دائرہ الٰہی اور دینی علوم سے جداگانہ وعلیحدہ ہے۔ اگر ان انسانی علوم کی رسائی الٰہی حقائق، غیبی وروحانی رموز ودقائق، دینی صداقتوں اور نبوی علوم تک کسی صورت میں بھی ہوسکتی اور انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور الٰہیات کے دیگر مسائل اس کی عقلی وتجرباتی قیاسی اور ظنی کوششوں سے کھل سکتے تو انبیاء کی بعثت کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ نبوت موہبت واجتبا ہے، کسب وتجربہ عقل وظن کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس لئے دنیاوی علم وفہم "تجربہ وعقل" کے آسمانوں پر اڑنے والے اور سورج اور چاند پر رسائی پانے والے اذہان "الٰہیات کی دنیا" اور معرفت وعرفان کے عالم میں اندھے اور بہرے ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے نہ سمجھنے کی بنا پر ایک اچھا خاصہ طبقہ دینی حقائق اور الٰہی صداقتوں کے بارے میں مذبذب اور شک وریب میں مبتلا ہوگیا

ہے۔ضرورت ہے کہ طبیعات والٰہیات کے دوائر اور انسانی اور نبوی علوم کی حدود کو متعین کیا جائے۔آج بھی موجودہ علوم وسائنس کے ماہرین کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا وہ قول صادق آتا ہے جو قدیم طبیعین وفلاسفہ کے متعلق انہوں نے کہا تھا۔

"لعم لهم فى الطبيعات كلام غالبه جيد وهو كلام كثير واسع . ولهم عقول عرفوا بها ذلك وهم قد يقصدون الحق لا يظهر عليهم العناد و لكنهه جهال به " العلم الالهى " الى الغاية ليس عندهم الا قليل كثير الخطاء " (کتاب الرد علی المنطقین ص ۱۴۳)

ترجمہ: فلاسفہ وطبیعین کا طبیعات کے بارے میں جو کلام ہے اس کا غالب حصہ عمدہ ہے اور یہ کلام کثیر وسیع ہے۔ان کی عقلوں نے ان علوم کو جانا ہے اور وہ اس بارے میں حق کا قصد کرنے والے ہیں اور عناد ظاہر نہیں کرتے لیکن علم الٰہی کے بارے میں غایت درجہ جاہل ہیں اور ان کے پاس علوم الٰہیہ کا بہت ہی قلیل اغلاط سے بھر پور حصہ ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں تو سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

تجدیدِ ایمان ویقین:

دانش حاضر کے فریب نے دین وایمان کے نور کو جس طرح سلب یا مضمحل کر دیا ہے۔اس کے علاج ومداوا کے لئے سب سے اہم واقدم ضرورت ایمانیات کی تجدید ورسوخ کی ہے۔ایمان ویقین کی ضرورت واہمیت،اس کی قیمت ووقعت،اس کی حقیقت وافادیت،اس کے حصول کے طرق وذرائع کے تعین وترتیب کو نئے طرز سے واضح ومبرہن کرنا ہے۔قرآن کریم واحادیث نبویہ کے ان گوشوں کو سامنے لانا ہے جو تجدید ایمان کی اس کوشش میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے لئے ضروری ولابدی ہیں۔

دینی معیاری لٹریچر کی ضرورت:

تجدید ایمان و یقین کی اس کوشش میں جتنا بھی سنجیدہ اور معیاری لٹریچر انگریزی، عربی، اردو وغیرہ میں مرتب کیا جائے اور جدید طبقہ میں پھیلایا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ نفع سے خالی نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ذہنی سطح کے مختلف مدارج اور دین و ایمان کے تفاوت اور الحاد و ارتیاب کی متفرق منازل اور دگر معلوم وجوہ کی بنا پر اس قسم کی کتابوں میں کم و کیف، مغز و پوست کے لئے ہر لحاظ سے تنوع لازمی ہے تاہم ایک بات سب میں مشترک ہونی چاہئے، وہ ایمان و یقین کا احیاء، حقائق دینیہ، مغیبات اور اسلام کے ابدی ہونے پر غیر متزلزل عقیدہ کا پیدا کرنا ہے۔ یہ کتب ذات باری تعالیٰ کی ذات و صفات کے اثبات اور اسلامی نظریہ توحید و رسالت امت کی بعثت کی اہمیت سے لے کر معاد، حیات بعد الموت و دیگر امہات عقائد تک اور آسمانی مذاہب و ادیان کی عمومی ضرورت اور ان میں اسلام کی فوقیت سے لے کر وحی و نبوت کی حقیقت وغیرہ صدہا مضامین پر مشتمل ہوسکتی ہیں۔ حجم کے لحاظ سے بڑی چھوٹی اور منجھولی کتابوں میں ان حقائق کو مختلف صورتوں اور طریقوں سے بیان کیا جائے کہ حق و یقین کی یہ صدا ہر ایک کان تک پہنچ جائے۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ مغرب کی عمومی استیلاء، اور معاشی ضروریات نے ان علوم وفنون کا حصول ایک حد تک ناگزیر کر دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح ان علوم کے منفعت والے پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے اور مفسد اثرات سے بچنے کی کیا صورتیں اختیار کی جائیں "**خذا ما صفا و دع ما کدر**" مجھ جیسے ہر مبتدی کا کام نہیں، بلکہ بقول مولانا روم ؒ

ے مرغ پر نارستہ چوں پرّاں شود طعمہ ہر گربہ دراں شود

ترجمہ: جس پرندے کے پر ابھی نہ نکلے ہوں، وہ جب اُڑنا شروع کرتا ہے تو ہر پھاڑنے والی بلی کا لقمہ بن جاتا ہے۔

مزید براں ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ آج صرف طبعی علوم کی مختلف شاخوں یا دگر علوم ہی کو اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ علوم کے حصول سے پیشتر اپنی تہذیب و تمدن، ثقافت و شعائر یہاں تک کہ عبادات و اخلاق طرز ماند و بود تک کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔ اسلام محض عقائد یا چند تعبدی رسوم کا نام نہیں۔ بلکہ اپنی خاص تہذیب و معاشرت اور طریقہ حیات بھی رکھتا ہے جو زندگی کے جز و کل پر حاوی ہے۔ جب معاشرت و تہذیب، اخلاق و ثقافت چھوڑ دی جاتی ہے تو اس کے ساتھ زندگی کی بے شمار اسلامی

حقیقتیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ان تمام حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے امت کو ایک عظیم اور ہمہ جہتی لائحہ عمل اختیار کرنا ہے کہ نئی پود، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور امت کا ذہین گروہ اسلام ہی کی رونق اور قوت کا سبب بنے اور ہمیں یہ نہ کہنا پڑے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

ترجمہ: اے غنی! کنعان کے بوڑھے (یعقوب علیہ السلام) کے تاریک دنوں کا تماشہ کر کہ ان کی آنکھوں کا نور (یوسف علیہ السلام) زلیخا کی آنکھوں کو روشن کر رہا ہے۔

نظام تعلیم میں اصلاح کی ضرورت:

اس سلسلہ میں پہلا قدم اسلامی مما لک میں نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلی کا ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم کی خشت اول اور بنیادی نقطہ امت میں دین کے بقا، دینی زندگی کے احیاء اور عالم میں دین کی اشاعت وفروغ ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ دوسرے عمرانی، معاشی اور طبیعاتی علوم اس نہج سے پڑھائے جائیں کہ وہ علوم ہماری اسلامی زندگی پر مضر اثرات نہ ڈال سکیں۔ ہم ان علوم کو اسلام کا خادم اور مسلمانوں کی دنیاوی معیشت کا مددگار سمجھ کر حاصل کریں نہ کہ وہ ہماری زندگی کا مقصد اور نصب العین اس طرح بن جائیں کہ ان کی غلط طلب میں دین کا چشمۂ حیات ہی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور ذریعہ کے حصول میں مقصد ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔

اس کے لئے ہمیں ابتدائی جماعتوں سے لے کر بی۔اے تک اسلامی تعلیم ہر طالب علم کے لئے ایک مضمون کے طور پر لازمی قرار دینی ہوگی اور محض ضابطہ اور اشک شوئی کے لئے دینیات کا مضمون نہیں پڑھانا ہوگا بلکہ جملہ علوم میں اسے ممتاز اور نمایاں حیثیت دینی ہوگی۔ اس کی اہمیت وفوقیت کو واضح کرنا ہوگا کہ اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام پر قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا چارہ کار نہیں

گرتو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

ترجمہ:اگر تم مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہوتو قرآن کے بغیر مسلمان زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔

دینیات کا نصاب اس طرح مرتب کیا جائے کہ تمام ضروری اسلامی علوم سے ایک گونہ واقفیت حاصل ہو جائے اور اگر کوئی شخص بعد میں ان علوم کی کسی شاخ میں تکمیل و مہارت حاصل کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکے۔ذریعہ تعلیم پانچویں تک ملکی زبان ہو اور اس کے بعد عربی کو اس طرح شریک نصاب کیا جائے کہ فوقانی جماعتوں تک پہنچتے ہوئے عربی زبان میں دینیات کی کتابیں پڑھی جا سکیں۔تفصیلات کا یہ مقام نہیں۔ماہرین تعلیم وعلماء مناسب نصاب تعلیم،طریق کار اور لائحہ عمل بنا سکتے ہیں۔جہاں مسلمان محکوم ہیں وہاں مساجد و مکاتب کا منظّم نظام اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔

اسلامی تربیتی دارالاقامے (Hostels):

تعلیم کے ساتھ دوسری اہم بات تربیت ہے۔صحیح اسلامی تربیت کے فقدان اور اسلامی معاشرہ کے اضمحلال نے امت کے کثیر طبقہ کو دین سے بیگانہ کر دیا ہے۔تربیت کے لئے صحیح اسلامی ماحول و معاشرہ پیدا کرنا امت کا فریضہ ہے۔جدید طبقہ کے لئے اس کمی کو دارالاقاموں کے قیام سے ایک حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔جن کالجوں،سکولوں یا یونیورسٹیوں میں اقامتی ورہائشی سہولیات ہیں وہ اس سے پورہ فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ضرورت ہے کہ ان ہاسٹلوں میں رہنے والے طلبہ کو اسلامی ذہن وعمل،دین کا درد وفکر رکھنے والے سنجیدہ ومتین شفیق اساتذہ کی نگرانی میں رکھا جائے۔طلبہ کو ان کی درسی کتابوں کے مطالعہ اور اپنے خاص مضمون کی تیاری کے علاوہ باقی اوقات میں ایسے مشاغل میں مصروف رکھا جائے جو ان کی جسمانی و علمی نشوونما کے ساتھ ان کی روحانی اور اسلامی زندگی بنانے میں مدد ومعاون ہوں۔طلبہ کی دینی تعلیم وتربیت کا کماحقہ بندوبست کیا جائے۔ان کے افعال واعمال کی نگہداشت کی جائے۔ان میں ہر قدم پر اسلام کی عظمت کا احساس،دینی شعور،دینی دعوت کا قوی داعیہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔کم ازکم اسلامی فرائض و واجبات کی پابندی لازمی قرار دی جائے۔اس سلسلہ میں جبر واکرہ کی بجائے رأفت و

شفقت، محبت ورحمت کی راہ اختیار کی جائے اور نبوی طرز کے مطابق ترغیب وتشویق سے اعمال دینی کی رغبت پیدا کی جائے اور حکیمانہ ترہیب وتنذیر پر برائیوں کی نفرت پیدا کرائی جائے۔ ان میں امت کے فریضۂ منصبی کی اہمیت اوراس کی ادائیگی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے تبلیغ ودعوت کی مجالس اوراس کی عملی مشق کی ہمت افزائی کی جائے۔ ہو سکے تو چھٹیوں کے اوقات میں دیہات میں دینی دعوت کے لئے جماعتیں بنابنا کر بھیجی جائیں (جیسا کہ آجکل سوشل ورک کے لئے طلبہ جاتے ہیں) اور وہ دین کی ابتدائی اور بنیادی متفق علیہ باتوں ہی کی دعوت دیں۔ اختلافی اور مشکل مسائل کا تذکرہ نہ کریں۔ دعوت سے ان کی اپنی تربیت بھی ہوگی۔ اور جن دیہات میں جائیں گے۔ ان کی اصلاح کی بھی انشاء اللہ صورتیں پیدا ہوں گی۔ اگر امت ان تجاویز کو حکمت ودانائی، ہمت وجرأت، محنت واستقامت سے اپنانے کوشش کرے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت بے دینی والحاد کے موجودہ سیلاب کو روک دے۔ اور نئی پود الحاد وارتداد سے بچ سکے۔ اصحاب فکرودرد اس بارے میں اس سے اچھی تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ مقصود اصلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کی اس فتنۂ عظیم میں مدد فرمائے، اور ہمیں اس سیلاب کے رخ کو ہدایت کی طرف پھیر دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

عیسائی مشنریوں کا خطرہ اوراسکا علاج:

یہاں ضمناً ایک دوسرے خطرے کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں مسیحیت دینی حیثیت سے اپنی تمام قوت وکشش وحقانیت کھو چکی ہے۔ لیکن مغربی استعمار واستیلا کے زیر سایہ آج عیسائی مشنری اسلامی ممالک میں تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کے ذریعہ سادہ لوح جاہل مسلمان عوام کو جس طرح بہکانے کی کوشش کررہی ہیں وہ ایک اندوہناک المیہ اور ملت کی بے حسی کا ثبوت ہے۔ مشنری مفلوک الحال اور مصیبت زدہ طبقات میں اپنی دعوت مالی امداد اور دیگر دنیاوی لالچوں کے ذریعے پھیلاتے ہیں۔ ہیچمدان نے اردن میں فلسطینی مہاجرین میں اور مشرقی بنگال کے سیلاب زدہ لوگوں میں ان کے انہیں طریقوں کو دیکھا ہے۔ ہسپتالوں میں ان کی ظاہری خوش خلقی اور خدمت کے پیچھے یہی گھناؤنا مقصد کام کر رہا ہوتا ہے۔ مشنری تعلیمی ادارے ہمارے معصوم بچوں کے ذہنوں کو جس طرح مسموم کرتے ہیں اور امت کے اندر ''ایک غیر ملکی ذہن'' والا طبقہ پیدا کرتے ہیں کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ

اگر وہ اسلامی ممالک کی امداد کرنا چاہتے ہیں تو ہسپتال تعلیمی ادارے اور امداد کی دوسری صورتیں وہ ملک کی حکومت کے حوالہ کر دیں اور یہ قومی تحویل میں کام کریں اور یہ امداد سرکاری ذرائع سے تقسیم ہو۔ پھر اگر وہ اپنی دعوت و تبلیغ میں مصروف بھی رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

غیر ممالک میں دعوت کے تقاضے:

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمام انسانیت کے لئے قیامت تک کے لئے نبی اور رسول بن کر آئے۔ آپ کی رسالت عام ہے اور آپ کا پیام دائمی اور اسوہ لافانی اور امت جاودانی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمومی رسالت کے پیش نظر ابتدا ہی سے صرف اہلیان مکہ کو اپنا مخاطب نہیں بنایا کہ وہ ایمان لے آئیں اور ان کی اصلاح تام ہو جائے تو دیگر قبیلوں کو دعوت دی جائے۔ بلکہ معلوم ہے کہ آپ مواسم حج میں میلوں میں بغیر قریش کے ایمان کا انتظار کئے ہوئے دوسرے قبائل کو بھی دین کی طرف بلاتے تھے۔ تفصیلات سیرت و کتب حدیث و تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔

”قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمکۃ بعرض نفسہ علیٰ قبائل العرب قبیلۃ قبیلۃ فی الموسم مایجد احداً الا نصار لما اسعد ھم اللّٰہ وسا ق لھم من الکرامۃ فاووا وانصروا فجزاھم اللّٰہ عن بینھم خیر ا“ (کنز العمال ج ۷ ص ۱۳۴ بحوالہ النبد اروحسنہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ موسمِ حج میں قبائل عرب میں سے ہر ہر قبیلہ پر اپنے آپ کو پیش کرتے تھے لیکن کوئی آپ کی بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار کا یہ قبیلہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ اس خوش بختی کے لئے جو اللہ نے انہیں دی اور کرامت و عزت جو انہیں عطا کی گئی۔ پس انہوں نے ٹھکانا دیا (نبی پاک ﷺ کو) اور دین کی مدد کی۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نبی ﷺ کی طرف سے جزائے خیر دے۔

ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں بھی مسند احمد کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ”کان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم یعرض نفسہ علی الناس بالموقف“ (ج ۳ ص ۱۷۶) صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں کچھ سکون ہوا تو نبی پاک ﷺ نے تمام عالم میں حق کی آواز پہنچانے کے لئے مختلف

بادشاہوں کودعوتی خطوط قاصدوں کے ہاتھ روانہ فرمائے۔ مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے پیشتر کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر ایک سرکش بادشاہ کو خط لکھے اور انہیں دین کی دعوت دی۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۲۶۲) ان واقعات کے نقل کرنے سے مقصود ہے کہ حضور پاک ﷺ کے اس نمونہ سے یہ بات واضح ہوجائے کہ کسی ملک کی اصلاح تام کے بغیر بھی دوسرے ممالک کودعوت دینا سنت ہے ۔ممکن ہے کوئی خوش بخت قوم وملک انصار مدینہ کی طرح دین کوقبول کرلے۔اوراس غربت کے وقت میں دین کی حامل وداعی، خادم ونصرت کرنے والی بن کر پورے عالم میں ہدایت کا سبب بن جائے۔اس وقت مسلمانوں کے لئے پورے عالم میں دعوت کے مواقع کم وبیش ہرجگہ موجود ہیں ضرورت ہمت وعزم، تنظیم و نظم، قربانی اور ایثار کی ہے۔اگر آج امت کا داعیانہ جذبہ زندہ ہوتا تو مسلمان پورے عالم کوہدایت وایمان کی سلسبیل سے سیراب کرسکتے تھے۔مسلمانوں کا ایک مسلسل منطقہ انڈونیشیاوملایا سے مشرقی پاکستان تک پھر مغربی پاکستان وافغانستان سے لے کر مراکش وبربر والجزائر تک پھیلا ہوا ہے۔متفرق قلیل وکثیر آباد یاں یا افراد ہرملک میں پائے جاتے ہیں۔لیکن ہرجگہ اپنے مقصد کو بھولے ہوئے۔اپنے کام و پیام سے نا آشنا! ''**فیاخیبۃ المسعی و یاغربۃ الاسلام**'' یہاں تک کہ صرف برطانیہ میں کم وبیش ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان آباد ہیں، صرف پیرس میں پانچ ہزار مسلمان ہیں، اسی طرح یورپ کے دیگر ممالک خصوصًا بلقانی ریاستوں میں بھی مسلمان کسی نہ کسی تعداد میں موجود ہیں ۔ امریکہ، ویسٹ انڈیز، فلپائن، کوریا وغیرہ میں مختلف آبادیاں ہیں۔روس کا چارکروڑ مسلمان اپنی حقیقت کوگم کرچکا اور چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں کی آواز سوائے وہاں کے سرکاری ذرائع کے سننے میں نہیں آتی۔کاش ! یہ لوگ اسلام کانمونہ دردودعوتِ دینی کا جذبہ رکھنے والے ہوتے تو آج نہ معلوم کتنے لوگ اسلام کے آغوش میں آچکے ہوتے۔ضرورت ہے کہ موجودہ نسلی مسلمانوں کے اندر اقامت دین، اسلام پر عمل، اخلاق محمدیہ کے اتباع، تعلق مع اللہ اور دعوت وتبلیغ کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ وہ اسلام کانمونہ بن کر عالم کوالٰہی ہدایات، نبوی تعلیمات سے بہرہ مند کرسکیں اور اقوام عالم اسلام کے دامن میں دائمی امن وچین کی دولت پاسکیں۔

اس وقت مذاہب کے لحاظ سے ہمارا مقابلہ عیسائیت سے ہے۔ بدھ مت، ہندو دھرم اور شنٹوازم اپنی دعوتی حیثیت کھوچکے ہیں۔صرف عیسائی مذہب اپنے پیغمبر علیہ السلام کی صریح ہدایات کے علیٰ

الرغم ایک منظّم عالمی تبلیغی مذہب ہے جو مغربی استعمار اور تمدن و تہذیب کے زیر سایہ اپنے بعید الفہم عقیدہ کو پسماندہ اقوام میں پھیلا رہا ہے۔ بدھ مت عصرِ حاضرہ کے ذہن کو اس لئے اپیل نہیں کرتا کہ وہاں نجات و دین ترک دنیا و تعطل میں ہے جو عملاً تاریخ کے مشغول ترین عہد میں اقوام کی اکثریت کے لئے ناممکن ہے۔ جاپان کے سرکاری مذہب شنتو ازم کے قدم جاپان کی عالمگیر جنگ کی شکست کے بعد جاپان میں متزلزل ہو چکے۔ بہر حال ان مذاہب سے تبلیغ و دعوت کے دوران میں واسطہ پڑنا ناگزیر ہے۔ اس لئے غیر مسلم ممالک میں دعوت کا کام کرنے والے حضرات کو مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ ادیان باطلہ کی تردید اور اسلام کی اشاعت کی نیت سے کرنا چاہئے۔

نسلی اعتبار سے آج افریقہ کا وہ حصہ جہاں اسلام کے قدم نہیں پہنچے، عیسائی مشنریوں کے نرغے میں ہے۔ حالانکہ اسلام کی سادگی اور فطرتی کشش کی بنا پر افریقہ اسلام کی دعوت کا مرکز بن سکتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کے کالے باشندے جو سفید قوموں کے امتیازی سلوک کی بنا پر اسلام کے قریب آچکے ہیں، صحیح اسلامی دعوت و تبلیغ کے بعد اسلام کے آغوش میں آسکتے ہیں لیکن امریکہ میں سیاہ فام طبقہ میں تبلیغ اس رخ سے ہو کہ کالے اور گورے کی منافرت ختم کر دی جائے کہ اسلام طبقاتی ولونی، نسلی وقومی امتیازات کا قائل نہیں۔ بلکہ اسلامی روح ان امتیازات سے تنفر کرتی ہے۔ جاپان، کوریا اور مشرق بعید کے باشندے گوناگوں اسباب کی بناء پر کسی معتدل اور دین و دنیا کے جامع مذہب کی تلاش میں ہیں۔ کاش! مسلمان ان کی اس تلاش و جستجو کا جواب دیتے۔ لاطینی امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ کئی ممالک ہیں جہاں ابھی کان اس حق کی آواز سے تقریباً ناآشنا ہیں۔ ضرورت ہے کہ امت اپنی ذمہ داری کو پہچانے اور ملک در ملک اقلیم در اقلیم ”**یا یھا الناس قولو الا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا**“ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۰۲ بحوالہ ابن ابی شیبہ نیز ج ۶ ص ۳۰۳ بحوالہ ابن عساکر) ترجمہ:۔ (اے لوگو! لا الہ الا اللہ (بطریق رسالت محمد ﷺ دل سے مانتے ہوئے) اقرار کرلو تا کہ پورے کامیاب ہو جاؤ) کی نبوی آواز اور قرآن کریم کا پیام

”**یاایھاالناس قد جآء کم الرسول باالحق من ربکم فاٰمنوا خیر لکم**“ (النسآء۔۱۷۰)

ترجمہ:۔ (اے لوگوں! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے اس کا خاص رسول (محمد ﷺ) حق کے ساتھ آیا ہے۔ پس ایمان لاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا)

’’قد جآء کم من اللّٰہ نور و کتب مبین یھدی بہ اللّٰہ من اتبع رضوانہ سبل السلام و یخرجھم من الظلمٰت الی النور باذنہ ویھدیھم الیٰ صراط مستقیم ‘‘

(المائدہ۔۱۵،۱۶)

ترجمہ: تحقیق آئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب بیان کرنے والی، ہدایت کرتا ہے ساتھ اس کے اللہ اس شخص کو کہ پیروی کرتا ہے، رضا مندی اس کی، راہیں سلامتی کی اور نکالتا ہے ان تاریکیوں سے روشنی کی طرف ساتھ اپنے حکم کے، اور ہدایت کرتا ہے ان کو طرف راہ سیدھی کے۔

پہنچاتے رہیں، اور اس کے لئے اپنے اندر نا قابل تسخیر عزم وولولہ، ہمت وجذبہ پیدا کرلیں جو انبیاء علیہم السلام کا اور داعیان حق کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے اور اپنی قوم پوری استعدادوں اور قویٰ کو کام میں لاکر یہ الٰہی امانت دنیا کے ایک ایک قریہ، ایک ایک بستی، ایک ایک گاؤں اور محلّہ تک پہنچائے تاکہ اللہ کی حجت بندوں پر پوری ہو، خوش بخت دین کی دولت سے مالا مال ہوں اور دنیا انسانی خودساختہ ظالمانہ نظامہائے حیات کے چنگل سے نکل کر خدائی احکام کے عادلانہ طریقہ حیات کو اپنا کر سکھ اور چین کی زندگی گزار سکے اور خدائی رضا اور ہمیشہ کی جنت کے سزاوار قرار دی جائے۔

مبلغین کی تربیت اور ان کے اوصاف:

اس بارے میں پہلا مسئلہ مبلغین کی تربیت کا مسئلہ ہے۔ بقول حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ ’’ ضرورت یہ ہے کہ داعی اپنے علم وعمل، فکر ونظر، طریق دعوت اور ذوق وحال میں انبیاء علیہم السلام اور خصوصًا محمد رسول اللہ ﷺ سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہو۔ حب لِلّٰہ بغض فی اللہ، رافت ورحمت بالمسلمین اور مشفقت علی الخلق اس کی دعوت کا محرک ہو، اور انبیاء علیہم السلام کے بار بار دھرائے ہوئے اصول کے مطابق سوائے اجرِ الٰہی کی طلب کے کوئی مقصود نہ ہو۔‘‘ ان اجری الا علیٰ اللّٰہ ‘‘ اور اس کی طلب کی ایسی دھن ہو کہ جاہ ومنصب، مال ودولت، عزت وشہرت اور نام ونمود اور ذاتی آرام و سائش کا کوئی خیال راہ میں مانع نہ ہو۔ اس کا بیٹھنا، اٹھنا، بولنا، چلنا، غرض اس کی زندگی کی ہر جنبش وحرکت اسی ایک سمت میں سمٹ کر رہ جائے۔‘‘ ان صلوتی و نسکی و محیا ی ومماتی للّٰہ رب العٰلمین ‘‘حاصل یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کے مزاج کے مطابق یہ ضروری ہے کہ داعی اور دعوت اور طریق

دعوت تینوں چیزیں ٹھیک ٹھیک طریق نبوت اور اسوۂ نبوت کے مطابق ہوں۔ داعی خود بھی قلباً اور قالباً داعی اول محمد رسول اللہ ﷺ سے نسبت رکھتا ہو۔ جس حد تک یہ نسبت قوی ہوگی دعوت میں تاثیر اور کشش پیدا ہوگی۔ پھر ضروری ہے کہ دعوت وہی ہو یعنی خالص اسلام اور ایمان اور عمل صالح کی دعوت ہو۔ پھر دعوت کا طریق بھی وہی اختیار کیا جائے جو داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا۔ جس حد تک ان تینوں امور میں عہدِ رسالت و نبوت کے ساتھ قرب و مناسبت جتنی زیادہ ہوگی، اتنی ہی زیادہ دعوت کی قوت میں تاثیر اور دعوت کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگی اور راہ کی ضلالت سے حفاظت اور صراط مستقیم کی طرف رہبری کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔'' (مقدمہ سوانح مولانا الیاسؒ، سید سلیمان ندویؒ) تبلیغ و مبلغین کی تربیت کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ کاش مسلمان ادارے، ملکی و سیاسی و جماعتی و دیگر اختلاف کو پس پشت ڈال کر دین کی اس خدمت کے لئے متفقہ طور پر کمر بستہ ہو جاتے۔ ضرورت ہے کہ مستقل علمی و تعلیمی اداروں کی طرح مستقل تبلیغی اداروں کو قائم کیا جائے۔ مرکزیت کے لحاظ سے ان اداروں کا بہترین مرکز ہماری مساجد ہو سکتی ہیں۔

مستقل تبلیغی اداروں کی ضرورت:

مبلغین کی تربیت میں امت کے مزاج و قوام اور منہاج نبوت، نبوی اصول دعوت و تبلیغ کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ اسلام یہودیت و عیسائیت کے خود تراشیدہ طرق کی نقل سے فروغ نہیں پا سکتا۔ حضور پاک ﷺ دعوت و اصولِ دعوت و طریقۂ دعوت سب کچھ بتا کر گئے۔ مبلغین کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت اور عملی مشق و مہارت کا اہتمام اور اہل دل حضرات کی صحبت سب سے زیادہ ضروری ہے اور اس کام کے لئے وہی لوگ منتخب کئے جائیں جو اخلاص و ایثار سے اپنے کو اس بلند مقصد کے لئے وقف کرنے کو تیار ہوں اور اس راہ کی مشقتوں کو قربِ حق اور ترقی درجات کا ذریعہ سمجھیں۔ جن کا مقصود محض رضائے الٰہی آخرت کی فلاح، اتباع نبوت، اپنی اصلاح اور دین کا فروغ ہو اور ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اسی کام کو اپنا اوڑنا بچھونا بنانے کو تیار ہوں۔ داعیانِ حق کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ کسی باطل تاثر کو قبول نہ کریں اور نہ کسی ایسی مفاہمت اور مداہنت پر غیر مسلم ممالک میں راضی ہوں جو ان کی دعوت اور کام کو نقصان پہنچاتی ہو۔ تبلیغ کرنے والوں کے لئے ان علاقوں کی زبانوں کا سیکھنا بھی ایک حد تک

ضروری ہے وہاں کے رسم و رواج سے واقفیت اور ان کے مذاہب سے آگاہی دعوت میں مفید ہے۔ مبلغین کے لئے سب سے کارگر اسلحہ ان کا اپنا اخلاق و کردار للّٰہیت اور مقصد سے والہانہ وابستگی ہے۔ صحابہ کرام ؓ کے پاس قرآن واسوۂ نبوی کی دعوت جس کا وہ خود سراپا نمونہ تھے، تیسری چیز نہ تھی۔ گویا داعی سراپا دعوت میں ڈوبا ہو، دعوت اس کا قال نہ ہو، حال ہو، تبلیغ اس کے دکھے دل کی پکار اور اس کے سوختہ قلب کی آہ بن چکی ہو۔ جس قدر دعوت میں گہراؤ ہوگا دعوت کا اثر عمیق و وسیع ہوگا۔ دینی دعوت دلوں کو مخاطب کرتی ہے اور دل بغیر دل سے نکلی ہوئی بات کے متاثر نہیں ہوتے۔ یہ چیز محض پروپیگنڈے یا ضابطہ کے طریقوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اہلِ دل حضرات کی صحبتوں سے میسر آتی ہے۔ امت کا چہاردہ صد سالہ دعوت کا دفتر اس دعویٰ کی شہادت ہے کہ دین انہیں طبقات سے پھیلا جو آرائش ظاہر کے ساتھ جمال باطن سے بھی آراستہ تھے۔ جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرتا تھا اور جن کا عمل اخلاص وللّٰہیت کی آب حیات سے زندگی پاتا تھا۔ اسلام نے انہیں شاہسواروں کی کوششوں سے فروغ پایا جو رات مصلیٰ پر گزارتے تھے اور دن گھوڑے کی پیٹھ پر۔ تاریخ ان کے متعلق گواہی دیتی ہے۔ **ھم رھبان اللیل وفرسان النھار**، سستی وقعود، تساہل و بے ہمتی ان مردانِ حق کا شیوہ نہیں ہوتی۔

غرض تربیت کے بارے میں دعوت و تبلیغ کے ان جملہ خط وخال اور طریقۂ کار کو سامنے رکھنا ہوگا جو آئینہ نبوی اور طریقۂ صحابہ میں نظر آتا ہے۔ ان تبلیغی و تربیتی اداروں کا قیام جس قدر عمق و حقیقت کے ساتھ ہوگا اور مبلغین کی تعداد سے زیادہ ان کی کیفیت و عملی زندگی پر نظر رکھی جائے گی، نتائج بہتر برآمد ہوں گے۔ ایسے ادارے تمام ممالک اسلامیہ میں ضروری ہیں، بلکہ فقیر کی رائے میں تو ہمارا ہر دار العلوم بذاتِ خود دار التبلیغ و دار التربیت ہو۔ اگر ہمارے علمی مراکز وقت کے دینی مطالبات وضروریات کو پورا نہیں کرسکتے تو ان کی افادیت پر حرف آسکتا ہے بقولِ اقبال

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بحمد اللہ تعالیٰ اسلامی ممالک میں دار العلوم دیوبند، جامعہ ازہر، جامعہ زیتون، دار العلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں دینی مدارس اب بھی موجود ہیں جو اگر اشتراک وتعاون سے عالمی

تبلیغ کا کوئی لائحہ عمل تیار کریں اور مبلغین کی تربیت کا بندوبست کریں اور دوسرے مسلمانوں کی مدد سے ان کے تربیت وحکمت کے ساتھ مختلف مما لک میں بھیجنے کا انتظام وانصرام کریں تو ایک حد تک اس فرضِ کفایہ سے امت سبکدوش ہوسکتی ہے۔ غیر مسلم مما لک میں بھی اہم مقامات اور خاص نا کوں پر مستقل تبلیغی مراکز کا قیام ضروری ہے۔ جہاں مقامی باشندوں کی دینی واسلامی اور دعوتی تعلیم وتربیت کا بندوبست ہو، تا کہ ہر علاقے کے لوگ خود اپنے علاقوں کی دینی ضروریات کے خود کفیل ہوسکیں۔ مبلغین کی تربیت کے علاوہ ایک اہم ومستقل کام اسلامی لٹریچر کی تیاری، فراہمی اور اشاعت کا ہے۔

اسلامی دعوتی لٹریچر کی ضرورت:

غیر مسلوں کے مختلف طبقات کے لئے مختلف زبانوں میں مختلف لوگوں کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے کتابیں مرتب کرنی ہونگی۔ قرآن کریم اور سیرت نبویہ کے علاوہ اسلامی عقائد، عبادات، اخلاق ومعاملات اور معاشرت کو مختلف طریقوں سے پیش کرنا ہوگا۔ مختلف مذاہب وممالک کے ذہن کا خیال رکھتے ہوئے، مابہ الاشتراک کا لحاظ کرتے ہوئے اسلام کا پیام بے کم وکامت پیش کرنا ہوگا۔ عیسائی مما لک میں (شمالی امریکہ وجنوبی امریکہ، یورپ آسٹریلیا وغیرہ) کے لئے جو کتابیں تیار کی جائیں، ان میں عیسائیت اور اسلام کی مشترکہ چیزوں کو نمایاں، حضور ﷺ کی بے داغ زندگی، اسلامی اخلاق کی فوقیت رحم وکرم، حبِ الٰہی، انسانی حقوق مساوات وعدل وغیرہ کے عنوانات اور اسلام کی عملیت اور کامیاب زندگی کی ذیلی سرخیوں کو اجاگر کرنا ہوگا۔ متعصب پادریوں اور مستشرقین نے جو زہر پھیلا رکھا ہے ان کا تریاق بغیر اعتراضات کی نقل یا تعریض واشارہ کے مثبت ومؤثر پیرایہ میں کرنا ہوگا۔ لادین دہریہ حضرات کے لئے قرآنی حکیمانہ طرز، داعیین کی للّٰہیت وقربانی، ایثار واخلاق محمدیؐ حق کا دروازہ کھلوائے گا۔ اشتراکی مما لک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں اولاً قدیم مسلمانوں میں احیاءِ دین کی کوشش کرنی ہوگی اور اس کے بعد دوسرے طبقات کو دعوت دی جائے گی۔ اسی طرح دعوت کی فطرتی ترتیب اور **الاهم فـالاهم** کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ للّٰہیت واخلاص محبت وبشارت، سہولت وشفقت پیمبرانہ دلسوزی وجگرکادی، جان سپاری وجان نثاری دعوت کی کامیابی کے لئے ضروری ہیں۔

کفرواسلام کا فیصلہ کن معرکہ اور اسلام کا مسلمانوں سے مطالبہ:

اسلامی کا اپنے فرزندوں سے مطالبہ ہے کہ آگے بڑھیں اور ظلم و باطل، الحاد و دہریت، خدانا شناسی و مادیت سے کچلی ہوئی انسانیت کو عدل وانصاف، ہدایت وحق پرستی ایمان وروحانیت معرفت و یقین کا پیام پہنچائیں۔ اور نسلی ولونی، وطنی وملکی، معاشی ونظریاتی فرقوں اور طبقات میں بٹی ہوئی دنیا کو، خدائے واحد کی بندگی، انسانی عدل و مساوات، محبت و پیار کا آخری سندیسہ سنائیں تا کہ دنیا ملتِ واحدہ بن کر رحمۃ للعٰلمین ﷺ کے سراپا رحمت دین سے مشرف ہو سکے

بیا تا گل بافشانیم و مے درساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرح نو دراندازیم
شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم
نسیم عطر گرداں را شکر درمجمر اندازیم (اقبالؔ)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امتِ مبعوثہ کو توفیق بخشے کہ وہ کمالِ ایمان اور دینی رنگ میں نکھر کر اپنے دعوتی فریضہ کو انجام دے سکے اور عالم کو اسلامی ہدایت ونور، دینی سکون وچین اور دنیاوی عدل ومساوات کا پیام پہنچا سکے۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین . اللھم صل و سلم وبارک علی النبی المزکی الامین والہ وصحابہ واتباعہ الیٰ یوم الدین .

وقت عصر پانچ بجے بتاریخ ۲۶ مارچ ۱۹۶۴ء (۱۱ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ)

کتابیات

(۱) قرآن کریم
(۲) تفسیر ابن کثیر : علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر
(۳) تفسیر کبیر : امام فخر الدین رازی
(۴) احکام القرآن : امام ابوبکر جصاص رازی حنفی۔ ایثر الدین محمد بن یوسف
(۵) البحر المحیط : علامہ ابن حیان الاندلسی
(۶) تفسیر خازن : علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی
(۷) تفسیر انور رالتنزیل : قاضی ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی
(۸) معالم التنزیل : امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی
(۹) التفسیر القیم :علامہ ابن قیم الجوزی
(۱۰) صحیح بخاری :امام محمد بن اسمٰعیل البخاری
(۱۱) سنن ابوداؤد : امام داؤد۔ سلیمانبن لاشعث السجستانی
(۱۲) صحیح مسلم :امام مسلم
(۱۳) جامع ترمذی : امام ابو عیسٰی ترمذی
(۱۴) ابن ماجہ :امام ابن ماجہؒ
(۱۵) مشکوٰۃ المصابیح :ولی الدین محمد التبریزیؒ
(۱۶) کنز العمال : علامہ شیخ علی متقیؒ
(۱۷) زاد المعاد : امام بن قیم الجوزیؒ
(۱۸) الوابل الصیب : امام بن قیم الجوزیؒ

(۱۹) فتح الباری : حافظ ابن حجر العسقلانیؒ

(۲۰) احیاء العلوم الدین : امام غزالیؒ

(۲۱) کتاب الرد علی المنطقین : امام ابن تیمیہؒ

(۲۲) اسد الغابہ : علامہ ابن اثیر الجزریؒ

(۲۳) تاریخ البدایۃ والنہایۃ : امام ابن کثیرؒ

(۲۴) حجۃ البالغہ : شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ

(۲۵) مقدمہ سوانح مولانا محمد الیاس : علامہ سید سلیمان ندویؒ

(۲۶) مقدمہ جامع المجد دین ؛ علامہ سید سلیمان ندویؒ

(۲۷) انجیل : مرقس